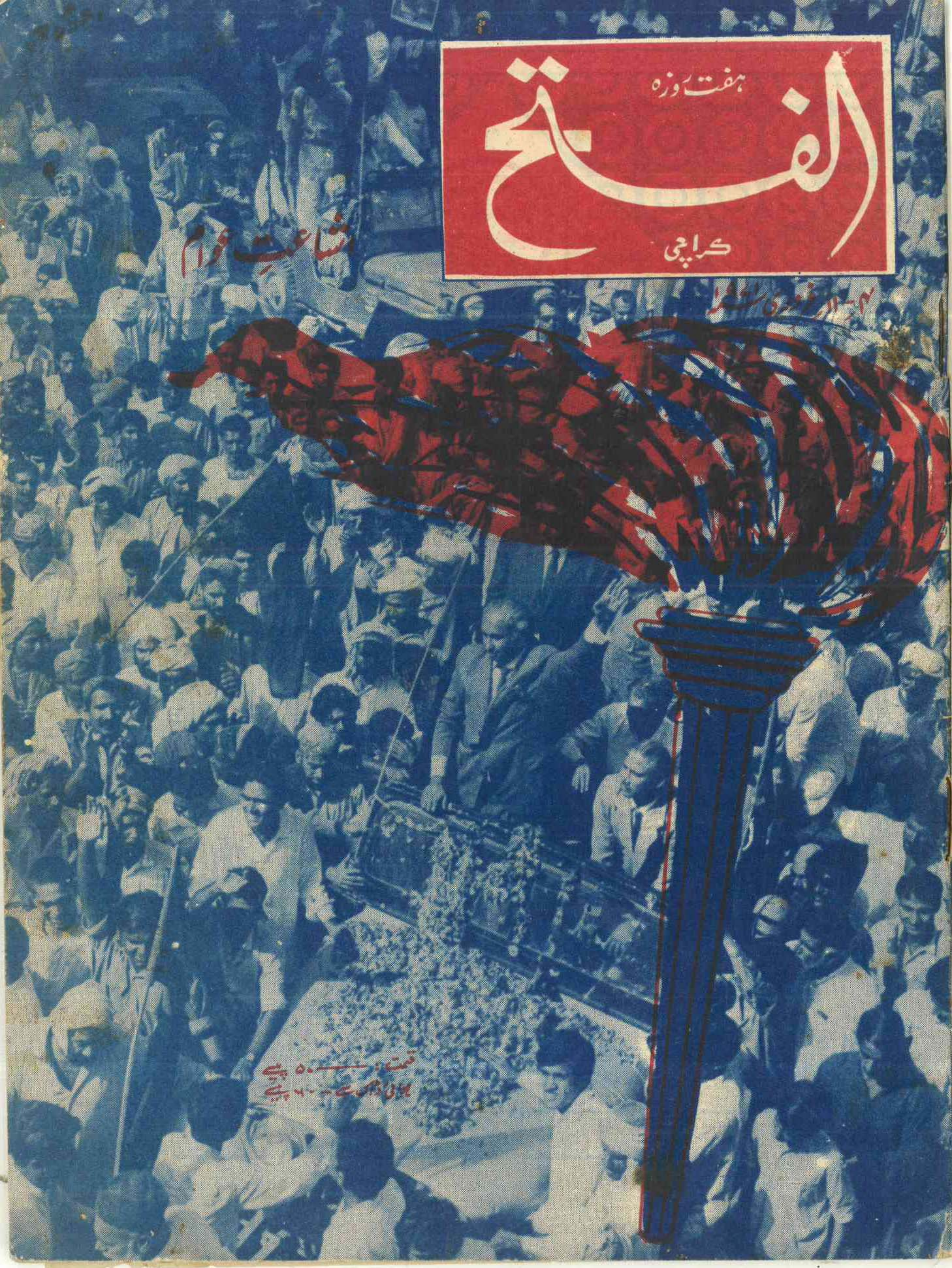

ہفت روزہ
الفتح
کراچی
اشاعتِ عوام
۴-۱۱ فروری
قیمت ـــ ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے -- ۶۰ پیسے

ادار یہ

غداکی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد:- ۱ شمارہ:- ۳۸

۴ — ۱۱ فروری ۱۹۷۱ء

نگرانِ اعلیٰ

شوکت صدیقی

❋

مدیر

ارشاد راؤ

❋

معاونین خصوصی

صفدر میر — منہاج برنا

ایم۔کے۔ جنجوعہ

❋

مجلسِ ادارت

محمود شام - اشرف شاد - وہاب صدیقی

بحرین، کویت — ۶۰ فلس

دوبئی، قطر — ۵، درہم

سعودی عرب — ۱۵ قرش

انگلستان — ۲ شلنگ، ۶ پنس

جیئے کشمیر

کشمیر کے جیالے مجاہدین نے بھارتی توسیع پسندوں کے ایک طیارہ کو اغوا کر کے عملی جدوجہد آزادی کا آغاز کر دیا ہے۔ مظلوم کشمیریوں کو مبارک ہو کہ وہ امریکی اور روسی سوشل سامراج کے عوام دشمن منصوبے اور گٹھ جوڑ کی پیداوار اعلان تاشقند کو دفن کر کے دنیا بھر کے عظیم حریت پسندوں کی جدوجہد میں شامل ہو گئے ہیں۔ مبارک ہو کہ وہ ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو فلسطین، اریٹیریا، ویت نام، کمبوڈیا، لاطینی امریکہ، ایشیا اور افریقہ کے سربکف، قوم پرست، محب الوطن اور جان نثار مجاہدوں کی برادری کے رکن بن گئے ہیں جو توسیع پسندوں اور سامراجیوں کے خلاف نبرد آزما ہیں اور خود اعتمادی پر بھروسہ کرتے ہوئے منزل کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ہم جموں و کشمیر قومی محاذِ آزادی اور مقبوضہ کشمیر کی تنظیمِ آزادی کو سلام پیش کرتے ہیں

ہم مظلوم کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کے عظیم مجاہد ہاشم کشمیری کو سلام پیش کرتے ہیں۔

ہم دنیا بھر کے حریت پسندوں کو سلام پیش کرتے ہیں

ہم بھارتی توسیع پسندوں امریکی اور روسی سوشل سامراج اور ان کے دلالوں کی مذمت کرتے ہیں اور حکومتِ پاکستان سے مطالبہ

بدل اشتراک

	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
مغربی پاکستان	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
مشرقی پاکستان	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

خط و کتابت کے لئے

دفتر ہفت روزہ "الفتح"، ۸۰ ڈی۔ نرسری کمرشل ایریا۔ پی، ای، سی، ایچ، ایس۔ کراچی ۲۹

مطبع حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد کراچی

ایڈیٹر، پبلشر: ارشاد راؤ

مقام اشاعت: ۸۰ ڈی، نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی ۲۹

کرتے ہیں کہ وہ پچاس لاکھ کشمیریوں کو از سرِ نو غلامی کے بندھن میں جکڑنے والی بدنام زمانہ دستاویز اعلانِ تاشقند سے فوری طور پر لاتعلقی کا اعلان کرے۔

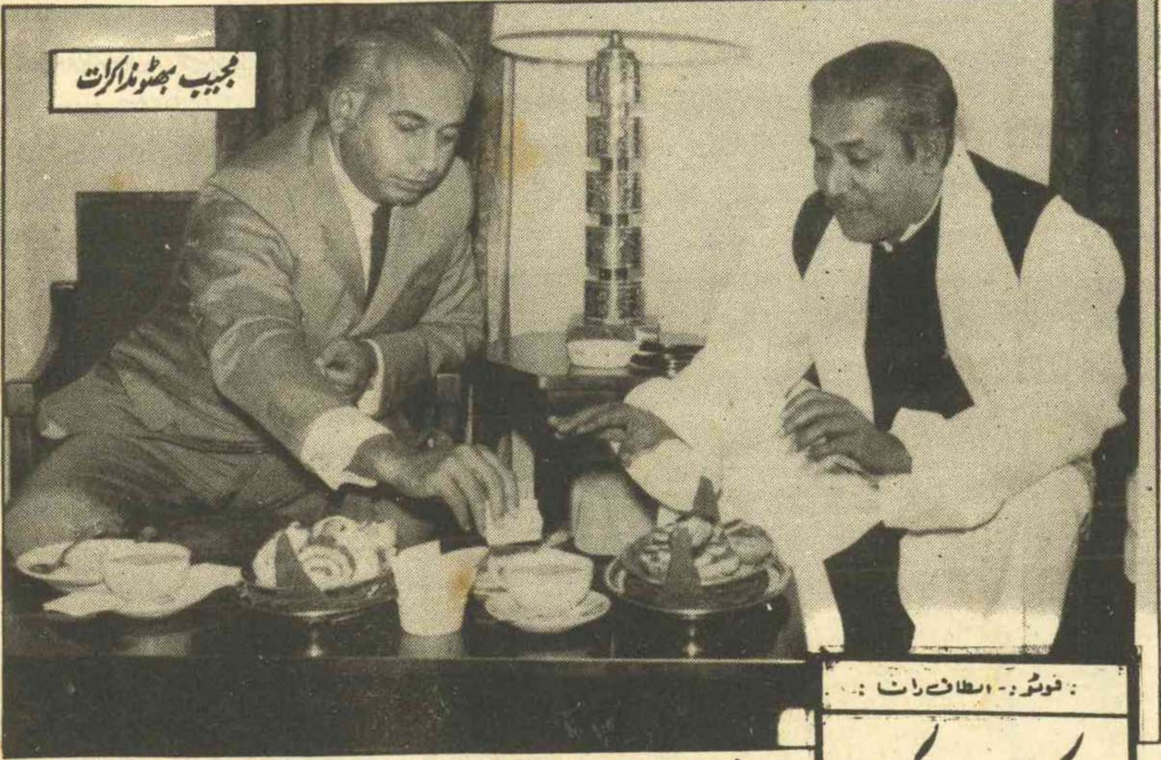
آج جب کہ کشمیر کے مظلوم عوام کی تنظیم آزادی نے عملی طور پر بھارتی توسیع پسندوں اور اس کے سامراجی سرپرستوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا ہے، اب یہ ناپاک اور گھناؤنی سازش ناکام ہو چکی ہے۔ اس کے پرخچے اڑ چکے ہیں، دھجیاں بکھر چکی ہیں۔ شہدائے جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کا مقدس خون اس موقع پر غیور پاکستانی عوام کو پکار رہا ہے کہ وہ کشمیریوں کی للکار پر صف آرا ہو جائیں۔ پاکستانی عوام کشمیریوں کے ساتھ بھارتی توسیع پسندوں کے خلاف شانہ بشانہ لڑنے کو تیار ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان ان کے جذبات کا احترام کرے۔ عوام کی خواہشات کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اعلانِ تاشقند کو سرزمین کشمیر پر نذرِ آتش کر دے۔

آج کشمیر کے مظلوم عوام کے حوصلے بہت بلند ہیں۔ آج پاکستان کے غیور عوام کے چہروں پر بھی ایک لازوال چمک ہے۔ دشمن کو مار بھگانے کا عزم ہے۔ دشمن کو وادیٔ کشمیر سے باہر نکالنے اور کشمیر کو توسیع پسندوں سے پاک کرنے کی امنگ ہے۔ اس عالم میں امریکی اور روسی سوشل سامراج ایک بار پھر اپنا بھیانک کردار ادا کرنے کی سرتوڑ کوشش کریں گے۔ بھارتی توسیع پسندوں کی پشت پناہی کے لیے اپنا بین الاقوامی دباؤ استعمال کریں گے۔ اس دباؤ کا مرکز پاکستان ہوگا، لیکن یہ دباؤ کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ابھی تک سرزمینِ پاک کی سرحدوں پر عظیم شہداء کے خون کی سرخی قوم سے آزادیٔ کشمیر کے لئے قربانیاں مانگ رہی ہے۔

چونڈہ، واہگہ، قصور، ڈوگرہ، برکی، ہیڈ سلیمانکی، سرگودھا، سیالکوٹ، لاہور اپنے جوانوں کو جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کی یادوں کو تازہ کر رہے ہیں۔ شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ شہیدوں کا خون رنگ لائے گا۔ کشمیر آزاد ہو کر رہے گا۔

ہمیں یقین ہے کہ تنظیم آزادی اپنے عزم خود اعتمادی کی بدولت جہاں بھارتی توسیع پسندوں کے لئے پیغام موت ثابت ہوگی وہاں وہ امریکی اور روسی سوشل سامراج کے گٹھ جوڑ سے پیدا ہونے والے حالات کا بخوبی مقابلہ کر سکے گی۔ وہ اپنے عزائم پر سختی سے کاربند رہے۔ پاکستان کے عوام اس کے ساتھ ہیں۔ دنیا بھر کے حریت پسند اس کے ساتھ ہیں۔ اس کی جدوجہد میں جس نے بھی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اس کو عبرت ناک شکست اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا

دنیا بھر کے عوام سامراجیوں کے خلاف آخری دم تک
لڑتے رہیں گے اور فتح ان کے قدم چومے گی۔



: فوٹو :- الطاف راٹ :

پاکستان کی تاریخ کے ۲۰۵ نازک منٹ

— : محمود شام : —

غیر رسمی ملاقات سب سے اہم تھی

مشرقی پاکستان میں ۹۶ گھنٹے کے قیام اور مجیب سے ۲۰۵ منٹ کی باقاعدہ اور ۱۲۰ منٹ کی غیر رسمی دریائی ملاقات سے ذوالفقار علی بھٹو نے مغربی پاکستان کے عوام کے دلوں میں مزید محبت پیدا کی اور مشرقی پاکستان کے دلوں میں اپنے لئے محبت کے بیج بو دیئے۔ جبکہ مجیب نے ان مذاکرات میں اپنے موقف سے مشرقی پاکستان کے صرف ایک خاص طبقے کی "خوشنودی" حاصل کی۔ عام آدمیوں میں مایوسی پھیلائی، متوسط تاجروں کو تشویش میں ڈالا اور مغربی پاکستان میں اپنے لئے نفرت کو مزید تیز کر دیا۔

بھٹو نے ڈھاکے آنے میں جس فراخدلی اور انا شکنی کا مظاہرہ کیا، اسی کا یہاں اپنی بات چیت میں بھی خیال رکھا۔ اور بار بار اس بات پر زور دیا کہ قومی سلامتی کے تقاضوں کی حدود میں جو سمجھوتہ ہو سکے، اس کے لئے ہم ہر طرح سے تیار ہیں، اور بار بار "ایک پاکستان" کی علم برداری کی۔ ان مذاکرات کو اگر کامیاب نہیں کہا جا سکتا تو مکمل بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بھٹو نے بات چیت کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ دوبارہ بھی مذاکرات ہوں۔

بھٹو نے چلنے سے پہلے مشرقی پاکستان کے عوامی مسائل اور مشرقی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے چھ نکات کا جائزہ لے کر۔ (۱) پاکستان کی سلامتی

(۲) مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوام کا مفاد

(۳) دونوں اکثریتی پارٹیوں کے بنیادی اصول

کی روشنی میں چند ایسے نکات تیار کئے تھے، جن میں سے بعض پر آسانی سے مفاہمت ہو سکتی تھی۔ پیپلز پارٹی کے ماہرین کی جماعت جو جے اے رحیم، شیخ رشید، حنیف رامے، حفیظ پیرزادہ اور رفیع رضا پر مشتمل تھی۔ اس نے بھی عوامی لیگ کے ماہرین سید نذرالاسلام، خوندکر مشتاق، کیپٹن منصور علی، قمرالزماں، تاج الدین اور ڈاکٹر کمال حسین

۱۱۴۳ انٹر کانٹی نینٹل، ۲۷ دھان منڈی اور نایک میں پاکستان کا مستقبل

سے انہی بنیادوں پر بات چیت کی۔ پہلے روز تو ان نکات کا جائزہ لیا گیا۔ جو اختلافات کا باعث ہیں۔

دوسرے روز پیپلز پارٹی کے ماہرین نے بات چیت یہاں سے شروع کی ہم پہلے کوئی اتفاقی نکتہ ڈھونڈ لیں پھر اس کے بعد آگے بڑھیں۔ تجویز پیش کی گئی کہ سوشلزم دونوں پارٹیوں کے منشور میں شامل ہے۔ اس لئے اسے نکتہ آغاز بنا کر سفر شروع کیا جائے، دستور سوشلسٹ نظام کو جز و لاینفک قرار دیا جاتے تو بہت مسائل طے ہو جائیں گے کیونکہ سوشلسٹ نظام میں وفاق تو ناگزیر ہوتا۔ اسی کے تحت نیشنلائزیشن بھی مرکز کا اختیار ہو۔ لیکن عوامی لیگ کے ماہرین نیشنلائزیشن کو مرکز کے اختیار میں دینے کے لئے تیار نہیں تھے، کہا گیا کہ اگر نیشنلائزیشن مرکز کے بجائے صوبوں کے اختیار میں ہوا تو یہ مشکل لاحق ہوگی۔ مثال کے طور پر حبیب بنک پنجاب میں قومی ملکیت میں آجاتا ہے اور بلوچستان میں نہیں تو حبیب بنک کے مالکان اپنا سارا سرمایہ بلوچستان میں منتقل کر دیں گے۔

ایک یہ عجیب مسئلہ بن کر رہ جائے گا۔ اس طرح سوشلزم عوامی لیگ کے منشور میں ہونے باوجود نکتہ آغاز نہ بن سکا۔ وہ نکتہ آغاز صوبائی خودمختاری کو بنانا چاہتے تھے۔ اس طرح بحث مباحثہ خوب ہوا، ایک، دوسرے کے نکتہ نظر کو خوب سمجھا گیا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ عوامی لیگ نے مفاہمت کی گنجائش نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ ممکن ہے کہ شیخ صاحب عوام سے ڈرتے ہوں کہ وہ چھ نکات پر کسی سمجھوتے کو برداشت نہیں کریں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عوام کو اس بات سے بہت دلچسپی ہے کہ مجیب، بھٹو آپس میں کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں اور غریبوں کا پاکستان ایک رہے۔ مسٹر بھٹو نے انٹر کانٹی نینٹل کے باہر بنگالی بھائیوں سے بات چیت کرتے ہوئے پوچھا کہ وہ ایک پاکستان چاہتے ہیں یا دو۔ انہوں نے ایک پاکستان کا نعرہ لگایا اور ہاتھ اٹھائے۔ ایک طوفان زدہ علاقے چر فیشون میں بھی ہزاروں بنگالی بھائیوں نے ایک پاکستان کا نعرہ لگایا ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ غریبوں کے مسائل حل ہونے چاہئیں۔ دوسرے روز ۱۱۴۳ کانٹی نینٹل میں بات چیت کے دوران دروازے کی درز میں سے مسٹر بھٹو کے یہ الفاظ سنائی دیتے تھے وہ اگر آپ اس ضد پر رہے تو شیخ صاحب میں کہے دیتا ہوں کہ آپ بھی تباہ ہو جائیں گے اور میں بھی ہمیں اس ملک کی سلامتی اور استحاد کے لئے کوئی راہ ڈھونڈتی ہے"۔

شیخ صاحب نے کہا "میں اپنی پارٹی اور کارکنوں کے بغیر کیسے کر سکتا ہوں؟"

بھٹو نے کہا، "تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں کر سکتا ہوں۔" اس روز مسٹر بھٹو نے زیادہ بات چیت کی۔ اس

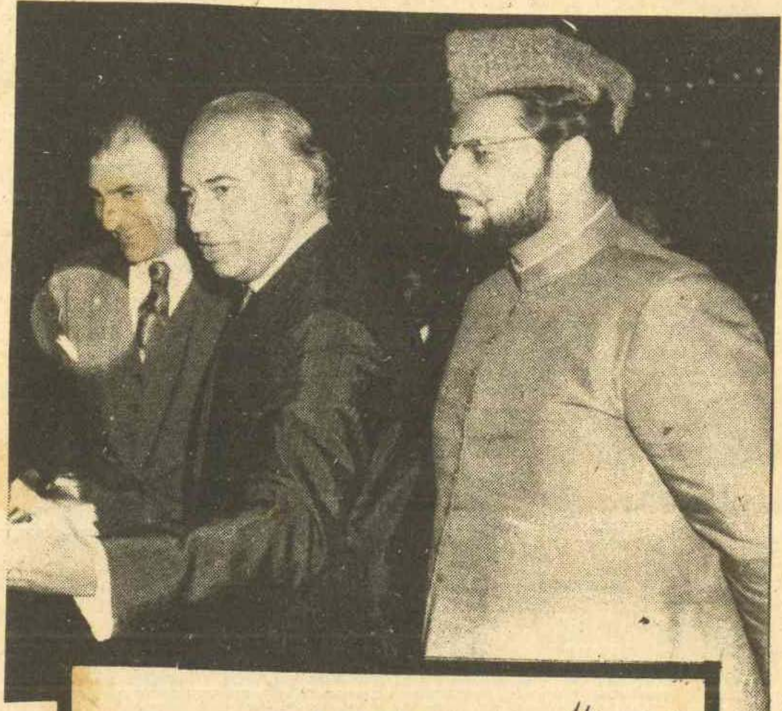
باقی صفحہ ۳۹ پر



عوامی رہنما معراج محمد خان ڈھاکہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ

مولانا کوثر نیازی سے ایک ملاقات

انقلاب کی راہ میں آزمائشیں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں



مذہبی گروہ فسادات کا منصوبہ بنا رہے ہیں

محمود شام

مولانا نے کراچی میں وعدہ کیا تھا کہ ڈھاکے جاتے ہوئے راستے میں ہوائی جہاز میں گفتگو ہوگی۔ جہاز کے اپنی مقررہ بلندی پر پہنچتے ہی مَیں نے مولانا کو وعدہ یاد دلایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت شروع کر دی۔ بات گرفتاری سے شروع ہوئی۔ مولانا نے کہا کہ اس بات کا کیا ذکر کریں جو ختم ہو چکی ہے۔ پھر وہ بتانے لگے کہ میں یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ میری گرفتاری میں مودودی، شورش اور مجید نظامی کا ہاتھ تھا۔ نوابزادہ نصیر علی کے ساتھ سازش کر کے مجھے گرفتار کروایا گیا۔ ان لوگوں نے مسلسل صدر یحییٰ کو تار بھیجے اور رپورٹیں بھیجیں کہ مَیں صدر یحییٰ کے خلاف تقریریں کر رہا ہوں۔ میری گرفتاری سے ایک، دو گھنٹے پہلے ہی شہر میں یہ افواہ پھیل گئی تھی۔ ان لوگوں نے خود فون کر کے شہر میں یہ خبر پھیلائی۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جیل میں سزا پانے تک تو مجھے سی کلاس میں رکھا گیا، ایک علیحدہ کوٹھڑی میں بالکل الگ تھلگ، کتابوں سے محروم۔ جب تک مجرم نہ تھے تو سی کلاس میں، لیکن جب مجرم ثابت ہو گئے اور پانچسال سزا کے مستحق قرار پاتے تو از راہ عنایت بی کلاس دے دی گئی۔ رمضان کا پورا مہینہ سی کلاس میں گزرا۔ ایک مسلمان ملک کے جیل خانے میں سحری اور افطاری کی کوئی سہولت نہیں دی گئی تھی۔ سحری کے وقت بھی قیدیوں کو کوٹھڑی میں رکھا جاتا۔ سلاخوں کے ذریعے کشکول میں دال ڈال دی۔ جس طرح گداگر کو بھیک دی جاتی ہے۔ پورے رمضان میں مولانا حسرت موہانی کا یہ شعر وردِ زبان رہا:

کٹ گیا قید میں ماہِ رمضان بھی حسرت
گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

جیلوں کے بارے میں مولانا نے بتایا کہ جیل کے اندر قیدیوں کی حالت بالکل جانوروں کی سی ہوتی جا رہی ہے۔ جیل خانے جرائم کی عظیم تربیت گاہیں ہیں۔ اسلام میں سزا کا جو تصور ہے اس سے مراد تعذیب کم اور تہذیب زیادہ ہے۔ اسی تصور کو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے اپنایا بھی ہے۔ مگر ہمارے ہاں تہذیب کا پہلو بالکل موجود نہیں۔ اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ قیدیوں کو عام انسانی بنیادی سہولتوں سے محروم کر کے ان کے اندر انتقامی جذبات پیدا کئے جاتے ہیں۔ ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں طویل سزا پانے والوں کو پیرول پر رہا کرنے کا تجربہ کیا جاتا ہے بیوی بچوں سے ملتے ہیں کچھ روز باہر گزارتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی انتظام کیا جاتا ہے کہ قیدیوں کے بیوی بچے ان کے پاس جیل میں ملنے آتے ہیں۔ ایسے قیدیوں کے لئے الگ کوارٹر بنائے گئے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایسا کوئی تجربہ نہیں کیا گیا ہے۔ ہمارا قانونی اور عدالتی نظام بے حد ناقص ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق کم سے کم نصف قیدی یا تو بے گناہ ہیں یا ایسے ہیں جن کا جرم اور گناہ میں بہت کم حصہ ہے۔ جرگے کے قیدیوں کی داستانِ غم بے انتہا دردناک ہے یہی حال مارشل لاء کے قیدیوں کا ہے۔ تین تین چار چار سال سے حوالات میں ہیں۔ یا تو مقدموں کی سماعت نہیں ہوئی ہے۔ یا ابھی مقدمہ چل رہا ہے۔ سزا مل جاتی ہے تو پہلے کے چار یا پانچسال کسی کھاتے میں نہیں جاتے۔"

الفتح کراچی

ہارنے والی جماعتیں شکست خوردگی کے مرض میں مبتلا ہوگئی ہیں

حج کے لئے سیٹ

مولانا نے میرے استفسار پر بتایا کہ گرفتاری کے بعد میرے تاثرات بالکل خوشگوار تھے۔ مَیں ذہنی طور پر تو اس کے لئے تیار تھا۔ پھر جو دفعات مجھ پر لگائی گئیں، ان میں بغاوت کی دفعہ بھی تھی۔ مجھے کبھی کبھی خیال آتا تھا کہ کہیں مجھے سزائے موت سنانے کا ارادہ نہ ہو۔ اس طرح میں اپنے آپ کو سزائے موت تک کے لئے تیار کر رہا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ تو یہ بھی یقین تھا کہ یہ چاہے سب کچھ کرلیں، ہوگا وہی جو خدا کی مرضی ہو گی یقین کا یہ عالم تھا کہ جیل کے اندر سے دیارِ حبیب جانے کے لئے سیٹ محفوظ کروائی۔ میرے دوستوں نے کہا آپ کو پانچ برس کی سزا ہوئی ہے آپ کیسے جاسکیں گے۔ مَیں نے کہا کہ میں پچھلے سال حضور کے دربار میں عرض کر کے آیا تھا۔ کہ اگلے سال بھی مجھے شرفِ باریابی بخشیں۔ مجھے وجدانی طور پر اسی وقت محسوس ہوگیا تھا کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں روک سکے گی۔ اللہ نے مجھے امتحان میں کامیاب کیا۔ مجھے جیل میں بعض افسروں کی طرف سے پیش کش کی گئی تھی کہ آپ تحریری نہیں تو زبانی ہی کہہ دیں کہ آئندہ میں احتیاط کروں گا۔ تو یہ قید و بند کی صعوبت ذرا ختم ہو جائے گی۔ مَیں نے ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ کیوں میں سمجھتا ہوں کہ آزمائشیں اور مشکلات عوامی انقلاب کی راہ میں قدرتی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، بقول شاعر

راہ حق کے مسافروں کے لئے
منزلیں ہیں یہ مشکلات نہیں

اس کے بعد دوسرے مسائل پر بات چیت ہوئی جس میں موجودہ سیاسی صورت حال بھی زیر بحث آئی مولانا نے بتایا "ہماری یہ عبوری سیاسی صورت حال انتہائی نازک ہے دوسرے ملکوں میں ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جماعتیں یا افراد جو انتخابات میں شکست کھا جاتی ہیں، خندہ پیشانی سے جمہور کے فیصلوں کو تسلیم کر لیتی ہے۔ اس لئے جمہوری عمل آگے بڑھتا ہے، لیکن ہمارے ہاں شکست خوردہ جماعتوں اور افراد نے فیصلوں کو صدق دل سے تسلیم نہیں کیا، ایسے بیانات سامنے آتے ہیں۔ جن میں جمہور کی توہین کی گئی ہے۔ شکست کھانا کوئی بری بات نہیں لیکن شکست خوردگی میں مبتلا رہنا بری بات ہے۔ یہ ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے۔ ایسے لوگ مسلسل اس کوشش میں مصروف ہیں کہ اس عوامی فیصلے کو سبوتاژ کیا جائے پرامن انتقالِ اقتدار کی راہ میں زیادہ سے زیادہ، رکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔ اس کا پہلا ظہور گرانی کی صورت میں سامنے آیا سرمایہ داروں نے انتخابات میں لکھوکھا روپیہ برباد کرنے کے بعد اسی اصل کو معہ سود کے عوام سے وصول کرنے کا پروگرام بنا لیا، تاثر یہ بھی مقصود ہے کیونکہ پیپلز پارٹی کامیاب ہوئی ہے۔ اس لئے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اب لسانی جھگڑا کھڑا کر دیا گیا ہے۔ میری اطلاعات کے مطابق بعض مذہبی گروہ اب فرقہ وارانہ فسادات کرانے کے منصوبے بھی بنا رہے ہیں۔ ایسے موقع پر پارٹی کے کارکنوں کو ایک اہم فریضہ انجام دینا چاہیے۔ ایک طرف عوامی رابطے کو برقرار رکھنا ہے کیونکہ اگر عوام کے مسائل میں دلچسپی نہیں لی جائے گی تو خانۂ خالی را دیو می گیرد۔ غلط عناصر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عوام کو غلط راہ پر ڈال دینگے

مولانا کی گرفتاری
میں شورش
مجید نظامی اور
شبیر علی کا
ہاتھ تھا

دوسری طرف انہیں انفرادی اقدام اور پارٹی اقدام میں بھی امتیاز کرنا ہے کوئی ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس سے اس عبوری دور میں کوئی پیچیدگی پیدا ہو اور عوام دشمن اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔"

پیپلز پارٹی کے آئندہ اطلاعاتی تنظیم و نسق کے سلسلے میں بات ہوئی تو انہوں نے کہا "اس حقیقت کے پیش نظر کہ اب تک، پارٹی ایک تحریک کی صورت میں تو ضرور قائم تھی لیکن وہ ایک مضبوط تنظیم نہ بن سکی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک تو پارٹی کی مدتِ قیام مختصر ہے بھٹو صاحب کو طوفانی دورے کرنے پڑے بے انتہا مشکلات اور آزمائش سے گزرنا پڑا۔ وہ اگر تنظیم کی طرف توجہ کرتے تو یہ ایک وقت طلب کام تھا اور عوامی شعور کے مظاہرے کی یہ منزل جو ان کی مسلسل جدوجہد اور جرأت مندانہ قیادت کے بعد ہمارے سامنے آئی۔ اس میں بہت تاخیر ہوجاتی۔ اب اسے منظم کرنے کا وقت ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ ایک طرف اسمبلی میں ہمارا پارلیمانی گروپ مضبوط رہے اور باہر پارٹی اپنے اس پارلیمانی گروپ کے احتساب کیلئے بھی پارٹی کو طاقتور ہونا چاہیئے۔ مزید برآں خود غرض عناصر سے قطع نظر شریف اور مخلص لوگ بھاری تعداد میں پارٹی میں آنا چاہتے ہیں وہ ان کی خدمت سے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ اب تک پارٹی ایک سمندر تھی کبھی کبھی جب سمندر میں تموج ہوتا ہے۔ تو کوئی نہ کوئی گھونگا سمندر سے نکل کر کنارے پر پھینک دیا جاتا ہے لیکن موتی ہمیشہ تہ نشین ہی رہتے ہیں، اس پچھلے عرصے میں مختلف شہروں میں اس طرح کے کچھ لوگ ہم سے کٹ بھی گئے۔ لیکن سمندر میں کوئی فرق نہیں پڑ سکا اب ہمیں اسے چینلائز کرنا ہے۔ پارٹی کی قیادت مرکزی طور پر ان عوام کے ہاتھ میں ہے جو اس ملک میں عوامی انقلاب کی علامت بن چکے ہیں میں کبھی جب بھٹو صاحب کی مقبولیت اور عوام کی طرف سے ان کی بے پناہ محبت پر غور کرتا ہوں تو مجھے حضور کی حدیث یاد آجاتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے کام لینا چاہتا ہے تو اس پر رحمت فرماتا ہے اور اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا

پارٹی کے حامی اخبارات کیلئے پارٹی لائن بھٹو صاحب تیار کریں گے

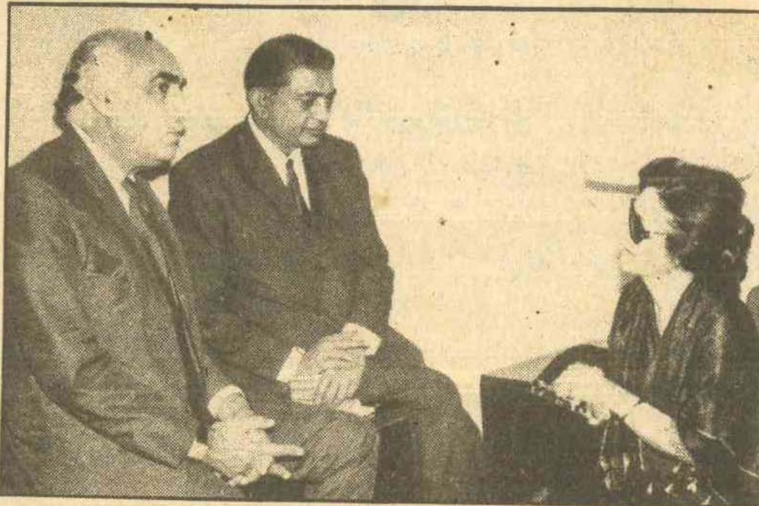
ہے اور اسے مرجع خلائق بنا دیتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لبوں پر "جئے بھٹو" کی صدائیں یہ نمازوں کے بعد غریب ماؤں کی طرف سے بھٹو کے لئے دعائیں اس بات کا مظہر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم قائد سے اپنے منصوبے کے مطابق یقیناً کوئی عظیم کام لینا چاہتا ہے۔ ان کے ساتھ ہمارے سیکرٹری جنرل جے اے رحیم تنظیم کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ بے حد مطالعہ کرتے ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگی پارٹی کے لئے وقف کر دی ہے۔ ان کے ساتھ پارٹی کی روز بروز بڑھتی ہوئی ضروریات اخراجات ان کے لئے مالیات کا شعبہ منظم کیا ہے۔ ایسے مواقع پر یہ میرا احساس ہے کہ بعض غلط کار عناصر پارٹی کی مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر بعض طریقوں سے فنڈ بھی اکھٹے کر سکتے ہیں۔ پھر ہمارے سامنے یہ بھی ہے کہ ہمیں اپنے کارکنوں میں مالی ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرنا ہے۔ جو وہ اب تک کرتے رہے ہیں۔ ہمیں کوئی سرمایہ دار فنڈ نہیں دیتا باہر سے ہمیں کوئی امداد نہیں ملتی۔ ہمیں اپنے ذرائع کو منظم کرنا ہے۔ اسی مقصد کے لئے پارٹی نے ڈاکٹر مبشر حسن کو سیکرٹری مالیات مقرر کیا ہے۔ جو انتظامی صلاحیت سے پوری طرح بہرہ ور ہیں اور پارٹی کے کارکنوں کا انہیں پورا اعتماد بھی حاصل ہے۔ تنظیم کا دوسرا شعبہ پیپلز گارڈ سے متعلق ہے۔ عام طور سے پیپلز گارڈ کے نقطے سے ذہن مسلم لیگ نیشنل گارڈ جیسی تنظیموں کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یہ اس سے مختلف تنظیم ہے۔ وقت آ سکتا ہے کہ بیرونی حملہ آوروں کے مقابلے میں پیپلز گارڈ عوام کو اتنا منظم کر دیں کہ فوج کے بعد ہماری دوسری دفاعی لائن ثابت ہو۔ یہ جماعت اسلامی کی ذیلی دہشت پسند تنظیموں کی طرح اپنے مخالفین پر حملے نہیں کرے گی۔ نہ جلسوں کو الٹنے کا کام انجام دے گی یہ عوامی حقوق کی محافظ ہو گی اور اس کے لئے پارٹی نے مشہور مجاہد سابق میجر جنرل اکبر خان کو سیکرٹری مقرر کیا ہے، جن کا نام بھی اس تنظیم کی افادیت اور کامیابی کا ضامن ہے"

"پارٹی کی تیسری ضرورت یہ تھی کہ پارٹی کے جو اخبارات اور جرائد ہوں ان کے درمیان پالیسی کے مسائل پر ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ جگہ جگہ انفرادی طور پر جو اقدامات کئے جاتے ہیں یا ایسے بیانات سامنے آتے ہیں۔ جن کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی بروقت تصحیح کی جائے۔ پارٹی لٹریچر تیار کیا جائے اور پارٹی کے نظریات کو منظم طریقے سے عوام تک پہنچایا جائے۔

اس مقصد کے لئے پارٹی نے سنٹرل کمیٹی کے مشورے سے مجھ پر سیکرٹری اطلاعات کی اہم ذمہ داری عائد کی ہے۔ اب میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے دعا اور مدد کا طلبگار ہوں تاکہ میرے کندھے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے پوری طرح مضبوط ثابت ہوں۔ اسی طرح اب صوبائی سطح پر بھی پارٹی کو منظم کرنے کا کام نئے دور میں داخل ہو گیا ہے اور اسے دیہاتی یونٹوں تک منتقل کر کے اور ہر مرحلے پر شہر، تحصیل، ضلع، علاقہ، صوبہ کے ذمہ داروں میں تمام یونٹوں کی شرکت کو کامل جمہوری رنگ دے دیا گیا ہے اور اب امید ہے کہ تنظیم کے اس نئے مرحلے میں پارٹی کی جمہوری روایات مزید آگے بڑھیں گی اور یہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کی عظیم ترین پارٹیوں سے ہو گی"

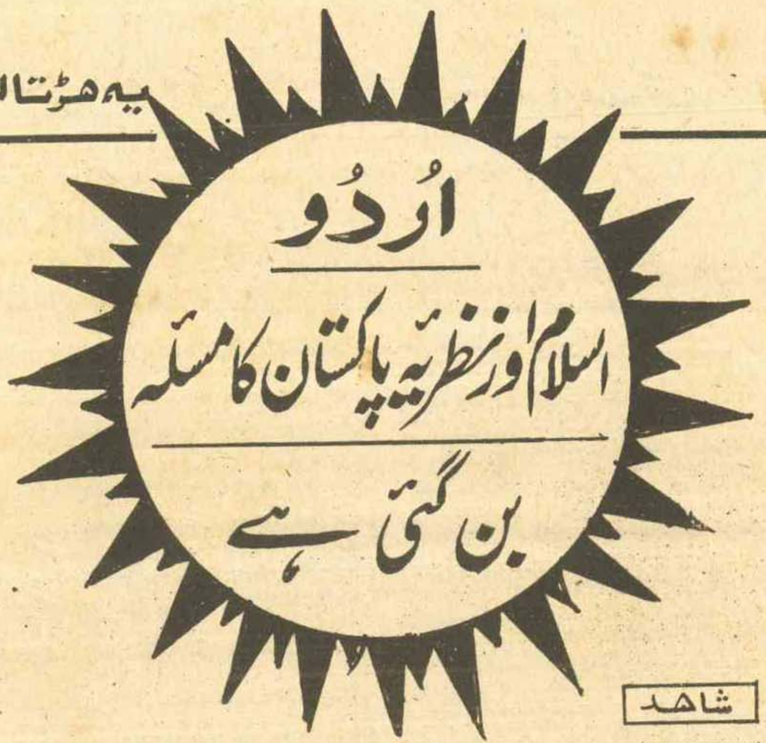
مولانا نے میرے استفسار پر بتایا کہ ہم کوشش کریں گے کہ پارٹی کے اپنے اور پارٹی کے حامی اخبارات کے لئے مواد اور پارٹی لائن قائد عوام کے مشورے سے مہیا کی جائے نظریات کی اشاعت کا وسیع تر انتظام ہو۔ اہل قلم کے سیل کام کرتے رہیں۔ پارٹی لائن کے مطابق وقت کے موضوعات پر بحث ہو۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کے مسئلے پر غور کیا جائے کہ اسے توڑنے کے بعد کیا طریق کار اختیار کیا جائے۔ ہماری کلچرل کمیٹی کو فلموں کے ذریعے ثقافتی میدان میں اصلاحات کرنا ہیں اور اس وسیلہ کو موثر بنانا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ صحافیوں اور اہل قلم سے رابطہ قائم ہو"

مولانا نے خاص طور پر پسرور کے عوام کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے انہیں سب سے بڑی سبقت کا شرف بخشا جو ۲۲ ہزار ووٹوں پر مشتمل تھی۔ ان کے حریفوں میں سے چھ کی ضمانتیں ضبط ہوئیں۔ دوسرے نمبر پر رہنے والے امیدوار کو ۲۲ ہزار کم ووٹ ملے۔ مولانا نے بتایا کہ انہوں نے زندگی میں کبھی پسرور نہیں دیکھا۔ وہ قریباً ہر جگہ گئے، بجز اس جگہ کے۔ چیئرمین نے جب انہیں نامزد کیا تو انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس لئے وہ پسرور کے عوام کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے بغیر دیکھے صرف پارٹی پروگرام کی بنا پر منتخب کر لیا۔



پیپلز پارٹی کے رہنما جناب اکبر خان اور جناب قاسم عباس پٹیل ایم۔ پی۔ اے ڈھاکہ میں ایک خاتون رہنما سے بات چیت کر رہے ہیں

یہ ہڑتالیں اور مظاہرے کیوں؟



شاہد

احتجاجی مظاہروں میں اردو کا کوئی دانشور شریک نہیں ہے

ہڑتالیں، مظاہرے، جیسے جلوس آتش زنی، توڑ پھوڑ، لوٹ مار، ۱۹۷۱ کا آغاز ایسے ہی ہنگاموں سے ہوا، اور ہنوز ان کا سلسلہ جاری ہے۔ پہلے اشیاء کی قیمتوں میں اچانک اضافہ ہوا۔ پھر نت نئے مسائل ابھر کر سامنے آتے۔ پی پی ایل اور پی آئی اے میں ہڑتالیں ہوئیں۔ رسوائے زمانہ دلآزار کتاب ''ٹرکش آرٹ آف لوان پیچرز'' کے خلاف مظاہرے اور ہنگامے ہوئے۔ پٹرول کی قیمت میں اضافہ ہوا اور اس کے نتیجے میں رکشا اور ٹیکسیوں کی ہڑتال ہوئی۔ تازہ ترین مسئلہ اردو اور سندھی کا جھگڑا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ سندھ تعلیمی بورڈ کا وہ فیصلہ جو تمام جھگڑے کی بنیاد ہے۔ ملتوی کیا جا چکا ہے۔ گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل رخمان گل یہ اعلان کر چکے ہیں کہ زبان کا مسئلہ عوام کے منتخب نمائندے صوبائی اسمبلی میں طے کریں گے۔ اس سے قبل پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اپنے ایک بیان میں یقین دلایا ہے کہ سندھ میں اردو اور سندھی کے تعین کا فیصلہ صوبائی اسمبلی کے ذریعے ہوگا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ماہرین تعلیم اور دانشوروں کی ایک کمیٹی قائم کرنے کا بھی اظہار کیا ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل رخمان گل صوبہ سندھ کی انتظامیہ کے سربراہ ہیں اور جناب ذوالفقار علی بھٹو اس سیاسی جماعت کے چیئرمین ہیں جو صوبائی اسمبلی میں اکثریتی پارٹی ہے۔ ان دو اہم اور ذمہ دار شخصیتوں کی یقین دہانیوں کے بعد موجودہ مرحلہ پر اردو اور سندھی کا تنازعہ ختم ہو چکا ہے۔ اب اس پر ہنگامے برپا کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا، لیکن سکھر اور کراچی میں ہڑتالوں اور ہنگاموں کا سلسلہ جاری ہے

ایسا کیوں ہے؟ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ دیکھنے کی ہے کہ اس مہم کو کون لوگ چلا رہے ہیں۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے۔ ان احتجاجی ہنگاموں میں اردو کا کوئی ادیب، کوئی شاعر، کوئی ماہر لسانیات، کوئی ماہر تعلیم شریک نہیں۔ علمی ادبی اور ثقافتی انجمنوں نے بھی ان میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ نہ ان کی طرف سے بیانات دیئے گئے۔ نہ احتجاجی جلسے ہوئے۔ نہ جلوس نکالے گئے۔ دوسرے دانشوروں کا بھی اس میں کوئی نمایاں کردار نظر نہیں آتا۔ طلباء بھی منظم طور پر اس میں شریک نہیں۔ طلباء کی سب سے بڑی اور منظم جماعت نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن (رشید حسن گروپ) ان سارے ہنگاموں سے الگ تھلگ ہے۔ حالانکہ زبان کا مسئلہ بنیادی طور پر اہل قلم، اہل علم، ماہرین تعلیم اور طلباء کا مسئلہ ہے اور جب کبھی یہ مسئلہ سامنے آیا ہے۔ انہوں نے اس میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

جب ادیبوں، شاعروں، ماہرین تعلیم نے اور طلباء کے ایک بڑے حصے نے لسانی جھگڑے میں کوئی حصہ نہیں لیا تو وہ کون لوگ ہیں جو اس مہم کو چلا رہے ہیں؟ اس مہم میں سب سے پیش پیش نواب مظفر حسین ہیں۔ وہ نئے سندھی جاگیردار ہیں۔ اردو محاذ کے سربراہ ہیں۔ صوبائی اسمبلی کے رکن ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مہاجرین کے رہنما ہیں۔ تو کیا اردو کا مسئلہ صرف مہاجرین کا مسئلہ ہے؟ سیاستدانوں کا مسئلہ ہے؟ یہ بات ان لوگوں کے سوچنے کی ہے۔ جو اردو کے مسئلہ کو اس طرح پیش کر رہے ہیں۔

مہاجر، پٹھان، پنجابی متحدہ محاذ کے لیڈر نواب مظفر حسین کے علاوہ جمعیت العلمائے پاکستان اور علماء کی ایسی ہی دوسری جماعتیں بھی ہیں، جنہوں نے اردو کو اسلام اور نظریۂ پاکستان کا مسئلہ بنا دیا ہے! انہوں نے مطلق یہ سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ اس کا ردعمل سات کروڑ بنگالی بولنے والے مشرقی پاکستانیوں اور سندھی، پنجابی، پشتو اور بلوچی بولنے والوں پر کیا ہوگا۔ کیا انہیں دائرہ اسلام سے خارج اور پاکستان دشمن قرار دیا جائے گا؟ یہ اردو کی حمایت ہے یا اس کی بیخ کنی؟

لیکن زبان کا مسئلہ پر سب سے زیادہ دلچسپ انداز جماعت اسلامی کا ہے۔ بظاہر اس تمام مہم میں اس کا کوئی واضح کردار نظر نہیں آتا۔ مصلحت بھی اسی میں ہے۔ وہ خود کو سندھیوں، پنجابیوں، پٹھانوں، بلوچوں اور بنگالیوں کی سیاسی جماعت بھی سمجھتی ہے۔ ان میں اسے کام کرنا ہے۔ البتہ اس کی ذیلی تنظیم اسلامی

جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیمیں ہنگاموں میں سرگرمی سے شریک ہیں

جمعیت طلبا کہیں کھل کر، کہیں چھپ کر اُردو کی مہم میں حصہ لے رہی ہے۔ یہی حال اس کی دوسری ذیلی تنظیموں اور کارکنوں کا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ نمایاں حصّہ اس کے مقبوضہ اخبارات لے رہے ہیں، جو لسانی مسئلہ کو خوب نمک مرچ لگا کر اور بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ مقصد صرف اس قدر ہے کہ معاملہ آگے بڑھے۔ ہنگامے ہوں اور لاقانونیت پھیلے۔

یہ تو اردو والوں کا حال ہے۔ سندھی مہم کی باگ دوڑ سندھ متحدہ محاذ کے سربراہ جی ایم سیّد صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے ساتھ پیر علی محمد راشدی اور ایسے ہی دوسرے سندھی جاگیردار اور بساط سیاست کے پٹے ہوئے مہرے ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ ایاز ہیں جو جیئے سندھ، تحریک کے روح رواں ہیں۔ سندھ متحدہ محاذ ادر جیئے سندھ تحریک ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ جی ایم سید کے پاس سیاسی محاذ ہے اور شیخ ایاز کے پاس لسانی محاذ۔ شیخ ایاز کا مسئلہ یہ ہے کہ پہلے وہ اُردو میں شعر کہنے لگے، اردو شاعری کی ان کی دکان چلی نہیں، سیالکوٹ کے پنجابی بولنے والے اقبال اور فیض اُردو کے عظیم شاعر بن جاتے ہیں اور دلی کے اُردو بولنے والے بیکس دہلوی کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ اردو کا کوئی قصور نہیں، یہ فکر رسا اور فنی صلاحیت کی بات ہے۔ شیخ ایاز اُردو میں نہ چل سکے تو انہوں نے سندھی میں شاعری شروع کر دی۔

یہ تو ہے شیخ ایاز کا ذاتی مسئلہ، بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ون یونٹ کے دوران سندھیوں کے ساتھ بڑی بے انصافیاں ہوئیں۔ ملازمتوں میں انہیں نظر انداز کیا گیا۔ صنعتی ترقی میں ان کی حق تلفی ہوئی۔ اس سے بھی بڑا مسئلہ زمین کا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل بجز چند مسلمان خاندانوں کے زرعی اراضی پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ جب ہندوؤں کی بڑی تعداد بھارت چلی گئی تو ان کی زمینداریاں اور جاگیریں خالی ہوئیں۔ یہ سندھیوں کے قبضے میں بھی آئیں اور مہاجرین کو بھی ملیں۔ سندھیوں کو ملال ہے کہ ان پر ان کا اور صرف ان کا حق ہے۔ مہاجرین کا کہنا ہے کہ یہ انہیں مفت نہیں ملیں۔ ہندوستان میں وہ جو زمینیں چھوڑ کر آئے ہیں۔ یہ ان کے نعم البدل میں ملی ہیں۔ اس کے ساتھ ایک جھگڑا اور نکلا۔

وہ بیراج کی زمینوں کا ہے۔ ان میں بھی سندھیوں کے ساتھ یہ حق تلفی ہوئی کہ ان کے ساتھ پنجابی اور پٹھان بھی شریک ہوئے اور بڑا حصہ لے گئے۔ ان باتوں کا نتیجہ وہی نکلا جو فطری طور پر نکلنا چاہئے۔ یعنی اس کا ردعمل ہوا اور یہ ردعمل جیئے سندھ تحریک کی شکل میں اُبھرا۔

لیکن شیخ ایاز سندھیوں پر ڈھائے جانے والے تمام مظالم کا قصوروار اردو کو ٹھہراتے ہیں۔ اسے "اردو سامراج" کہتے ہیں۔ پہلے انہوں نے اردو کو رابطے کی زبان قرار دیا۔ اب وہ اردو سے اس قدر خفا ہیں کہ اسے رابطے کی زبان بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ بلکہ یہ حیثیت بھی وہ انگریزی ہی کو دیتے ہیں۔ وہ اردو کو قومی زبان بھی ماننے پر آمادہ نہیں۔

جب شیخ ایاز زبان کے مسئلے پر یہ استدلال پیش کرتے ہیں تو وہ سندھ کے کن طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں! یہ طبقہ ہے سندھ کی ابھرتی ہوئی نوکر شاہی۔ اور یہ وہ طبقہ ہے جو طبقاتی معاشرے میں استحصالی طبقات کے آلۂ کار کے فرائض انجام دیتا ہے، یہ ابھرتی ہوئی نوکر شاہی سندھی عوام کے استحصال میں ان جاگیرداروں کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتی ہے۔ جو ون یونٹ ٹوٹنے کے بعد اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔

سندھی زبان کا مسئلہ جس طرح پیش کیا جا رہا ہے وہ سندھ کے ہاریوں اور محنت کش عوام کا مسئلہ نہیں۔ ان کا بنیادی مسئلہ اقتصادی آزادی ہے، اور یہ مسئلہ جاگیرداری ختم کرکے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ سندھی اگر صوبۂ سندھ کی سرکاری زبان بن جائے یا قومی زبان بن جائے یا بفرض محال پورے پاکستان کی واحد زبان بن جائے تو اس سے فائدہ کس کو پہنچے گا! سندھ کے عوام کو کیا ملے گا؟ ہاری کو کیا ملے؟ ہاری بے چارہ تو ان پڑھ ہے اور جاگیرداری برقرار رہی تو اس کی آنے والی نسلیں بھی ان پڑھ ہی رہیں گی۔ اس کا باپ بھی ان پڑھ تھا اور دادا بھی۔ اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے سندھ پر جاگیرداری کا راج شروع ہوا اور اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک جاگیرداروں کا راج قائم رہے گا جاگیرداروں کی اس وڈیرہ شاہی میں ہاری اس قابل ہی نہیں رہتا کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دلا سکے۔ خواہ ذریعہ تعلیم سندھی ہو۔ اردو ہو یا انگریزی ہو۔ اس کا بچہ ہوش سنبھالتے ہی باپ کی محنت کا حصہ دار بن جاتا ہے اور یہ محنت استحصال کا شکار ہو جاتی ہے۔

وہ تمام لوگ جو زبان کے مسئلہ کو اقتصادی مسئلہ سے علیحدہ کرکے دیکھتے ہیں ان کے سامنے صرف اپنے طبقات کا مفاد ہوتا ہے، عوام کا مفاد نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو شیخ ایاز جی ایم سید، پیر علی محمد راشدی اور ان کے دوسرے ہمنوا جاگیرداری کے خاتمے کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے جو سندھی عوام کا بنیادی مسئلہ ہے صرف زبان کے مسئلہ پر سارا زور یہاں کیوں صرف کرتے ہیں کیا زبان کا مسئلہ معیشت سے علیحدہ مسئلہ ہے؟ ہرگز نہیں، معاشرے کے تین بنیادی بظاہر ہیں، معیشت، سیاست اور ثقافت اور یہ تینوں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں بلکہ آپس میں اس طرح وابستہ ہیں کہ کسی ایک کو منفرد اکائی کے طور پر نہیں جا سکتا۔

زبان ثقافت کی ترجمان ہوتی ہے۔ لہٰذا جب زبان کی بات کی جاتی ہے تو اس کی سرحدیں صرف ثقافت تک محدود نہیں رہتیں بلکہ سیاست کے راستے پوری معیشت اور معاشرت کا احاطہ کر لیتی ہے۔ معاشرہ کبھی ایک حالت میں نہیں رہتا۔ وہ ہمیشہ تبدیل ہوتا رہتا ہے اور اپنے ارتقا کی جانب گرم سفر رہتا ہے۔ معاشرے کا یہ ارتقائی عمل اپنی تبدیلی کے ساتھ پرانے سماجی اور اقتصادی رشتے ختم کرتا ہے اور نئے رشتے پیدا کرتا ہے یہ نئے سماجی رشتے نئے خیالات، نئے تصورات، نئے نظریات

جی ایم سیّد اور شیخ ایاز ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں

کو جنم دیتے ہیں۔ جن کا اظہار ثقافت کی ترتیب تو کرتا ہے زبان کا مزاج بدلتا ہے اس کی تصریح کرتا ہے لیکن کوئی زبان اگر ابھرتے ہوئے نئے طبقات کا ساتھ نہیں دیتی۔ نئے سماجی رشتوں کی ترجمانی نہیں کرتی تو وہ سکڑنے لگتی ہے محدود ہو جاتی ہے اور آپ اپنی موت مر جاتی ہے زبانوں کے بننے، سنورنے اور بگڑنے کا یہ عمل صدیوں کا سفر ہے۔

حقائق کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس وقت زبان کا جھگڑا نوکر شاہی نے کھڑا کیا ہے۔ حیدرآباد کے ثانوی تعلیمی بورڈ کے چیئرمین پروفیسر احمد سعید خاں نے اپنے حالیہ بیان میں بورڈ کی قرارداد اور اس کے فیصلے کے بارے میں جو وضاحت کی ہے اس سے صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔ بظاہر بورڈ کا یہ ایک بے ضرر سا فیصلہ ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قرارداد اس وقت کیوں منظور کی گئی۔ اس میں اس قدر عجلت سے کیوں کام لیا گیا جبکہ عوامی نمائندے نئی صوبائی اسمبلی کے لئے منتخب ہو چکے ہیں۔ اور یہ اس لئے منتخب ہو کر آئے ہیں کہ اہم مسائل کو طے کریں جن میں زبان کا مسئلہ بھی شامل ہے اگر تمام مسائل کے بارے نوکر شاہی ہی فیصلے کر سکتی ہے تو پھر انتخابات کی کیا ضرورت تھی۔ صوبائی اسمبلی کا کیا مقصد رہ جاتا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صوبے میں زبان کا مسئلہ عرصہ سے چل رہا ہے اور تشویشناک صورت اختیار کر چکا ہے تو اتنے عرصے تک بورڈ کے چیئرمین صرف خاموش کیوں رہے؟ اس کے بعد مسئلہ کا دوسرا پہلو آتا ہے کہ جب بورڈ کا فیصلہ اتنا غیر منصفانہ نہ تھا جیسا کہ بتایا گیا ہے تو اردو والوں کی جانب سے اس پر اتنا شدید ردعمل کیوں ہوا۔

ان سوالات سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اردو اور سندھی کا مسئلہ نوکر شاہی نے قصداً کھڑا کیا اور نواب مظفر حسین اور ان کے دوسرے ہمنواؤں نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا کہ صوبے میں ہنگامے برپا ہوں لاقانونیت پھیلے تاکہ عوامی نمائندوں کو صوبے کا اقتدار سنبھالنے کا موقع نہ ملے۔ یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے اور اس سازش میں نوکر شاہی، جاگیردار، سرمایہ دار اور ان کے حامی اسلام پسند شامل ہیں۔ ان طبقات کو انتخابات میں ناکامی ہوئی اور اب وہ کامیاب ہونیوالی سیاسی اور عوامی قوتوں کی راہ میں روڑے اٹکانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوتے ہی سرمایہ داروں اور منافع خور تاجروں نے اچانک اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا تاکہ عوام میں بے چینی پھیلے اور جب یہ اندازہ ہو گیا کہ عوام میں بے چینی پیدا ہو چکی ہے تو طرح طرح کے مسائل پیدا کئے گئے جن کو پیدا کرنے اور بڑھانے میں نوکر شاہی اور اسلام پسندوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہی باعث ہے کہ جماعت اسلامی کے ارکان عوام میں اس قسم کی افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ ملک کا دستور بن نہ سکے گا اور دوسرا مارشل لاء نافذ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ ایک ہنگامہ سرد پڑتے نہیں پاتا کہ دوسرا ہنگامہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ جب کوئی ہنگامہ شروع ہوتا ہے تو نوکر شاہی چشم پوشی سے کام لیتی ہے اور جماعت اسلامی اور ایسی ہی دوسری شکست خوردہ جماعتوں کو یہ موقع دیتی ہے کہ وہ حالات کو زیادہ سے زیادہ خراب کریں۔ نوکر شاہی یہ سب کچھ اس لئے کر رہی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ گزشتہ ۲۰، ۲۲ سال سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی ملی بھگت سے وہ پاکستان کے عوام کا جو استحصال کر رہی تھی وہ استحصال کرنے والے ہاتھ اب پکڑ لئے جائیں گے اس کی سالہا سال کی لوٹ مار اور بدعنوانیوں کا محاسبہ ہوگا۔ اس کی وہ سازشیں ختم ہو جائیں گی جس کے تحت وہ سیاستدانوں کو انگلیوں پر نچاتی تھی اور اقتدار اعلیٰ پر قابض تھی۔ نوکر شاہی کی حکمرانی کا یہ دور ختم ہو رہا ہے اور اس انجام نے اس حد تک بدحواس کر دیا ہے کہ وہ ہر وہ حربہ استعمال کر رہی ہے۔ جو اس کی دسترس میں ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہنگامے مغربی پاکستان میں کیوں ہو رہے ہیں، مشرقی پاکستان میں کیوں نہیں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں نوکر شاہی بہت کمزور رہی ہے۔ یہی حال سرمایہ داری کا بھی ہے اور جاگیر تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی زبردست کامیابی کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے مغربی پاکستان میں صورت حال مختلف ہے۔ ملک کے

باقی صفحہ ۴۰ پر

بخارا کے قالین

دنیا بھر میں مکمل اعتماد
کے ساتھ خریدے اور
استعمال کیے جاتے
ہیں

وادیٔ سندھ
پانچہزار برس سے تہذیب و تمدن
کا گہوارہ رہی ہے۔ اس نے فنون
لطیفہ کو جنم دیا اور ان کو پروان چڑھایا۔
آج کل یہی وادیٔ سندھ پوری دنیا میں بہترین قالین
بافی کے لئے مشہور ہے اور بخارا پیلیس لمیٹڈ کے تیار کردہ قالین ہر جگہ
سرفہرست شمار ہوتے ہیں، **بخارا قالین** ، روایتی ڈیزائنوں، چمک
دمک، پائیداری اور حسن آرائش کی وجہ سے دنیا بھر میں فن لطیف اور جدید طرز
زندگی کے شائقین کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوتے ہیں۔



بخارا پیلس لمیٹڈ زیب النساء اسٹریٹ (سابقہ الفنسٹن اسٹریٹ) صدر کراچی ۳۔
برانچ : ۵۴: دی ۔ مال ۔ لاہور

NATIONAL 69 G

چیئرمین پیپلز پارٹی مسٹر بھٹو کی کچھ غیر مطبوعہ باتیں



محمود شام مسٹر بھٹو سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ یہ اُن دنوں کی تصویر ہے جب مسٹر بھٹو کے بقول "ہمارے دوست بھی ہمیں دیکھ کر راستہ بدل جایا کرتے تھے"

ذکر "جنگ" کی بھٹو دشمنی اور ایوب کی خوشنودی کا

محمود شام

۱۹۶۸ کے اوائل کی بات ہے، ہوٹل میٹروپول میں کیوبا کے سفارتخانے کی طرف سے ایک استقبالیہ تھا۔ اخبار نویس، اخباری فوٹوگرافر بھاری تعداد میں موجود تھے، کچھ تجارتی حلقوں سے وابستہ لوگ تھے۔ کچھ سفارتی نمائندے۔ چند لمحوں بعد حاضرین میں ایک سرسراہٹ سی ہوئی۔ نوزائیدہ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو اپنی اہلیہ کے ہمراہ آئے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب بھٹو صاحب کے بقول "ہمارے دوست بھی ہمیں دیکھ کر راستہ بدل جایا کرتے تھے"۔ اخبار نویسوں میں سے میں نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔ پنجاب کے دورے کی تفصیلات پوچھنے لگا۔ اتنے میں "لیڈرز" کے سلطان صاحب بھی آکر گفتگو میں شامل ہو گئے۔ اسی اثنا میں پیچھے سے ایک صاحب آئے۔ انہوں نے "ہیلو مسٹر بھٹو۔ ہاؤ آر یو" کہا اور ہاتھ ملایا۔ بھٹو صاحب کو دیکھنے کی بھی فرصت نہ ملی کہ کون ہے۔ ادھر "جنگ" کے فوٹوگرافر میاں قریشی مرحوم فلیش چلا چکے تھے۔ بھٹو صاحب نے اس آدمی کی طرف دیکھا اور غصے میں کہنے لگے۔ "یہ کمبخت مجھ سے کیوں ملتے ہیں۔ میں انہیں اتنی بار منع کر چکا ہوں"۔ اگلے روز جنگ کے ایک کونے میں تصویر چھپی ہوئی تھی۔ جس کے نیچے تحریر تھا: "مسٹر بھٹو، بھارتی ہائی کمیشن کے سیکرٹری مسٹر..... سے مصافحہ کر رہے ہیں"۔ پھر اس تصویر پر خوب افسانے تراشے گئے۔ حالانکہ تصویر صحافیوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کی بنائی گئی تھی۔ اس زبردستی کے مصافحہ کو "جنگ" نے ایوب خاں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک "خبری تصویر" بنا کر چھاپا۔ اسی محفل میں جب جنگ کے فوٹوگرافر تصویر اتارنے لگے تو مسٹر بھٹو نے کہا "جب میری تصویریں چھپتی نہیں ہیں تو کیوں اتارتے ہو؟" فوٹوگرافر کہنے لگے۔ "ملتان کے جلسے کی تصویر تو چھپی تھی"۔ بھٹو صاحب کہنے لگے۔ "اگلے روز اتنا لمبا ایڈیٹوریل بھی تو میرے خلاف لکھ دیا تھا"

جنگ کا ان دنوں دستور تھا کہ اخبار بیچنے کے لئے کبھی کبھار ایک آدھ تصویر بھٹو صاحب کے جلسوں کی چھاپ دیتا تھا۔ پھر ایوب خاں کے عتاب سے حفظِ ماتقدم کے طور پر مکمل دو کالمی ایڈیٹوریل بھی بھٹو کے خلاف شائع ہو جاتا تھا۔ اور ایسی تصویریں خاص طور پر حاصل کی جاتی تھیں۔ اس تصویر کو چھاپنے کے لئے میر خلیل الرحمٰن نے نیوز ایڈیٹر کو بار بار ہدایت کی تھی۔ رات کے دس بجے اتاری گئی اس تصویر کی اطلاع میر خلیل الرحمٰن کو بارہ بجے ملی اور وہ رات کے ۲ بجے تک بار بار دفتر میں فون کر کے پوچھتے رہے "کیوں بھئی! وہ تصویر لگ رہی ہے نا؟" پھر میر صاحب نے یہ تصویر خاص طور پر ایوب خاں کے سیکرٹریٹ کو بھجوائی تھی۔

تاریخ کسی سے ناانصافی نہیں کرتی!

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مسٹر بھٹو وزارت سے سبکدوش ہوتے تھے، اور جن دنوں بہت کم اخبارات ان کی تقریریں شائع کرتے تھے۔ اسلامیہ کالج کی اسٹوڈنٹس یونین کے یوم تاسیس کے موقع پر انہوں نے انگریزی میں

تقریر کی۔ وہ ایک تاریخی تقریر تھی۔ اس کی روداد ممکن ہے بعض اخبارات میں بھی چھپی ہو۔ لیکن چند ایک باتیں آپ بھی قندِ مکرر سن لیجئے۔ "تاریخ کسی سے ناانصافی نہیں کرتی، لوگ آتے ہیں، چلے جاتے ہیں، تاریخ بن جاتی ہے، سوئیکارنو اور سوبانڈریو کو کبھی فراموش نہیں کرے گی اور سوہارتو، آدم ملک اور ربوبدین کو کوئی یاد نہیں رکھے گا۔ ...... بین الاقوامی مسائل اس قدر گنجلک ہیں کہ پیرزادہ (اس وقت کے وزیر خارجہ) کا پیر بھی حل نہیں کرسکتا۔ ... . ہمارے لوگ اتنے بہادر ہیں اتنے جانباز ہیں کہ وہ پہاڑوں کو ہلا سکتے ہیں مگر افسوس کہ وہ زاہدہ خلیق الزماں کو نہیں ہٹا سکتے۔"

"ون یونٹ بڑے تاجروں اور بیوروکریسی کی شادی"

"ملکوں کے مسائل ایسے حل نہیں ہوتے کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر لیک لگا دی جاتے"۔ یہ ون یونٹ ٹوٹنے سے پہلے کی بات ہے۔ ون یونٹ کے سلسلے میں ایک نجی گفتگو کرتے ہوئے بھٹو صاحب کہنے لگے۔ "دنیا میں کہیں بھی دو صوبوں کی فیڈریشن نہیں ہے۔ دو مساوی صوبے ہمیشہ دو ملک بن جاتے ہیں۔ یہ محض انتظامی سوال نہیں ہے، سیاسی، جغرافیائی تاریخی اور تہذیبی مسئلہ ہے۔ ون یونٹ جتنا جلد ختم ہو اتنا بہتر ہے ورنہ شک و شبہ کی فضا پیدا ہوتی رہے گی۔ ون یونٹ کے باپ چوہدری محمد علی، گورمانی اور ایوب خاں ہیں۔ ون یونٹ دراصل بڑے تاجروں اور بیوروکریسی کی شادی تھی۔"

یہ سب غلام ہیں

قاسم حاجی عباس پٹیل رکن صوبائی اسمبلی کے ہاں ڈنر پر پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ارکان، کراچی پیپلز پارٹی کے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ارکان پیپلز پارٹی کے رہنما مدعو تھے۔ کھانے کی میز پر کینیڈا کی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب نے بھٹو صاحب سے ان کے منشور پر عملدرآمد کے سلسلے میں بات کی اور کہا کہ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اپنے منشور کو عملی جامہ پہنا سکیں گے؟"

بھٹو صاحب نے کہا: "پاکستان کے عوام نے مجھے قیادت ہی نہیں اس کے ساتھ ساتھ ایک اعتماد بھی سونپا ہے۔ اس اعتماد نے مجھے اور میری پارٹی کو مغربی پاکستان کی ایک مضبوط ترین پارٹی کے طور پر اُبھرنے کا موقع دیا ہے۔ مجھے مکمل یقین ہے کہ میں جو عزائم لے کر چلا تھا۔ انہیں تکمیل تک پہنچا کر رہوں گا۔"

پروفیسر صاحب کہنے لگے "لیکن آپ کے پاس کیا کارکنوں کی اتنی منظم تعداد ہے جو آپ کے مشکل وعدوں کو تکمیل تک پہنچا سکے۔"

بھٹو صاحب کا جواب تھا "میری پارٹی میرے کارکن میرے دست و بازو ہیں۔ انہوں نے بہت مشکلیں سہی ہیں۔ ایسے حالات میں پیپلز پارٹی کو منظم کیا، جب سر اٹھا کر چلنے کی رسم نہیں تھی (بلند آواز سے) معراج! اِدھر آؤ"۔ اور پھر انہوں نے پروفیسر سے معراج کو بلایا اور پھر کہا کہ "انہیں پارٹی کے ورکرز کے بارے میں بتاؤ"۔ پھر پروفیسر صاحب سے کہنے لگے "آپ جیسے معزز پروفیسر تھا مجھے یہ سمجھایا کرتے تھے کہ ایوب خاں تخت سے اُتارنا بہت مشکل ہے مسٹر بھٹو! تم یہ خیال چھوڑ دو، کچھ نہیں بن سکے گا۔ لیکن عوام نے مجھے طاقت دی۔ خدا نے مدد کی اور میں اپنے کارکنوں کے ساتھ ایوب جیسے آمر کو تخت چھوڑنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آمریت کی شکست معمولی بات نہ تھی"۔ پھر بھٹو صاحب پاکستان میں غربت کا تذکرہ کرنے لگے "اتنی غربت، اتنا افلاس، اتنی ناداری، اتنی بے بسی۔ دنیا میں کہاں ہوگی۔ یہاں کے سرمایہ دار امریکہ کے سرمایہ داروں کی طرح ہی عیش کرتے ہیں، لیکن یہاں کے غریب، کچھ نہ پوچھئے۔ میں نے کیا کیا دیکھا ہے۔ جھونپڑیاں، پھٹے ہوئے کپڑے۔ ویران آنکھیں"۔ اس وقت مسٹر بھٹو کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ "انہی لوگوں نے مجھے ووٹ دیئے ہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے مینڈیٹ دیا ہے۔ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ ایسا بہت کم ملکوں میں ہوا ہے کہ بیلٹ کے ذریعے بائیں بازو کی جماعت برسرِ اقتدار آئی ہو۔ یہ ان غریب اور نادار لوگوں کا سیاسی شعور ہے۔ مجھے لیڈر انہی لوگوں نے بنایا ہے۔ میں ان کے اعتماد کو ہاتھ سے جانے نہیں دوں گا۔"

پروفیسر صاحب نے کہا، "بیوروکریسی کا کیا ہوگا" بھٹو صاحب کہنے لگے "بیوروکریسی! میں بیوروکریسی کا دشمن نہیں ہوں، مجھے احساس ہے کہ وہ حکومت کی مشینری کا اہم حصہ ہیں۔ لیکن بیوروکریسی چونکہ عوام دشمن کردار ادا کر رہی ہے۔ اس لئے میں اس کا دشمن ہوں۔ عوام کی طاقت میرے ساتھ ہو گی تو بیوروکریسی میرے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈال سکے گی۔"

پھر میر رسول بخش تالپور، حنیف رامے، مصطفیٰ کھر، معراج محمد خاں اور دوسرے رہنماؤں کی طرف اشارہ کر کے بتانے لگے۔ "یہ سب غلام ہیں۔ انہیں اہرامِ مصر تعمیر کرنا ہیں۔ مگر فراعنہ کے لئے نہیں۔ عوام کے لئے"۔ میری پارٹی سندھ اور پنجاب میں حکومتیں بنائے گی۔ سندھ اور پنجاب وسائل اور مسائل کے سرچشمے ہیں۔ یہ سونے کے انڈے ہیں۔ لیکن جہاں یہاں ساری صنعتیں ہیں۔ وہاں مزدوروں کے مسائل بھی ہیں جہاں بڑی بڑی زمینداریاں ہیں وہاں پریشان حال مزارع بھی ہیں۔ میں سندھ اور پنجاب کو مثالی خطے بنانے کا عزم کر چکا ہوں۔ میں اپنے کارکنوں اور عوام کی مدد سے ایسا کر کے رہوں گا۔ مجھے مکمل اعتماد ہے۔ مجھے تکمیل کی بشارت ہو رہی ہے۔ اگر میں خدانخواستہ ایسا نہ کر سکا۔ تو پروفیسر تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں سیاست کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گا مجھے یہ احساس ہے کہ یہ پہلا اور آخری موقع ہے۔"

پنجاب کے کسانوں نے جاگیرداروں کے خلاف بغاوت کردی

پنجاب پیپلز پارٹی کے چیئرمین شیخ رشید سے ایک ملاقات

نمائندہ الفتح

سوال یہ تھا کہ پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی نے عوام کا زبردست اعتماد کیسے حاصل کیا؟ مخاطب پنجاب پیپلز پارٹی کے چیئرمین شیخ رشید تھے۔ ان کا جواب یہ تھا۔

"پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی کی مقبولیت سوشلسٹ اقتصادی نظام کی مرہون منت ہے۔ چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو پنجاب کے مزدوروں، کسانوں اور مظلوم طبقے کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے، کہ پیپلز پارٹی جیت گئی تو مزدور کسان اور مظلوم طبقے کے دن پھر جائیں گے۔ اس کے لئے سوشلزم کی روشنی میں عوام کے معاشی اور اقتصادی مسائل حل کئے جائیں گے لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کا محاسبہ ہوگا۔ محنت کرنے والے اپنی بات منوانے اور حق کے لئے فریادی نہیں بلکہ حکمران کا کردار ادا کریں گے۔ روٹی کپڑے اور مکان کی سہولت سے ایک ہی طبقہ فیضیاب نہیں ہوگا۔ یہ تمام شہریوں کا حق ہے اور حکومت اس حق کے لئے ہمیشہ محروم طبقے کا ساتھ دے گی۔

شیخ رشید بڑے اعتماد سے کہہ رہے تھے۔

"پنجاب میں بُت گرے ہیں بُت! برادری، ذات پات، جاگیریں، دولت، اثر و رسوخ، وعدے، ظاہری خلوص اور احسانات نے کام نہیں کیا۔ عوام نے قریب سے خلوص کا جائزہ لیا۔ تقریروں کی بجائے مقرر کی عوام سے دلچسپی، ان کے بارے میں جذبات اور رابطہ کو نزدیک سے پرکھا ہے۔ پروگرام تو دوسری پارٹیوں کے بھی تھے۔ ماضی میں انہوں نے عوام کو بے وقوف بنانے کے جو حربے استعمال کئے، اب عوامی شعور کی بلندی کے سامنے دیکھ کر بہت شاطرانہ انداز میں میدانِ سیاست میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ پیپلز پارٹی نے انہیں بے نقاب کیا، اخبارات کے ذریعے نہیں بلکہ عوام کے درمیان کھڑے ہو کر، عوام میں رہ کر اور عوام کا اعتماد میں لے کر۔ چیئرمین بھٹو نے اپنے کارکنوں کو عملی طور پر ایک بہت بڑا سبق سکھایا اور وہ یہ کہ عوام کی صفوں میں شامل ہو جاؤ۔ عوام سے رہبری حاصل کرو۔ بھٹو صاحب نے جو سبق کارکنوں کو دیا تھا، اس پر خود بھی عمل کیا۔ شدید علالت کے باوجود ان کا عوام سے رابطہ نہیں ٹوٹا۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ کاغذی شیر چت ہو گئے۔ مقبوضہ اخبارات اور سرکار کے تجزیئے دھرے کے دھرے رہ گئے۔"

شیخ رشید پیپلز پارٹی کے چیئرمین کا تذکرہ کرتے ہوئے عقیدت کے سیلاب میں بہہ رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پنجاب کے عوام کے دلوں میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا راج ہے۔ غریب، مزدور اور کسان انہیں اپنی تمام تر توقعات کا مرکز بناتے ہوئے ہیں۔ سب پُر امید ہیں کہ ان کے صوبے میں جونہی پیپلز پارٹی نے زمامِ اقتدار سنبھالی پہلے ان کے مسائل حل ہوں گے۔ چنانچہ شیخ رشید کہہ رہے تھے: "پنجاب کے عوام نے بہت بڑا فیصلہ دیا ہے! انہوں نے سیاست کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ مزارع نے عملی طور پر جاگیردار کے خلاف بغاوت کی۔ مزدور نے بہتر

PAKISTAN T.&T. TELEGRAM

367

X 1120 P 37 LAHORE 24

Sheikh Abdur Rashid care of Zulfiqar Ali Bhutto Clifton KR

I AND MEMBERS OF WORKERS ORGNISATION HOLD IN GREAT ESTEEM SHEIKH ~~ABDURAHS+~~ ABDURRASHID VETERAN KISAN LEADER STOP SOME INTRESTED HUARTERS ARE CREATING MISUNDERSTANDING THROUGH PRESS ALLEGATIN FOR OWN ENDS STOP PRESS CONTRADICTION IS BEING ISSUED TODAY --- BASHIR AHMED ~~BUKHTTRD~~ BUKHTAIR-----

KARACHI 24 JAN

"میں نے آپ کے خلاف کوئی بیان نہیں دیا"

بشیر بختیار کا تار رشید کے نام

مستقبل کے لئے زنجیریں توڑ دیں۔ مظلوموں نے ظالموں کے خلاف بھرپور نفرت کا اظہار کیا۔ یہ عمل پیپلز پارٹی کی جیت کی صورت میں رونما ہوا۔ مزدور اور کسان نے اپنے لئے جس سیاسی جماعت کو پسند کیا تھا۔ وہ اس صوبے میں واضح اکثریت رکھتی ہے۔ اس جماعت کے تمام ارکان کو احساس ہے کہ عوام نے پارٹی کے منشور کو ووٹ دیا ہے۔ لہٰذا منشور کے مطابق کام کیا جائے گا۔"

شیخ صاحب کی رائے ہے کہ پنجاب میں پیپلز پارٹی حکومت بنانے کے بعد پہلے سے زیادہ مقبول ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انتخابات میں جو لوگ اسمبلیوں میں پہنچے ہیں ان کی اکثریت نچلے درمیانے طبقے سے تعلق رکھتی ہے اسمبلیوں میں بالخصوص پنجاب کی اسمبلی میں ۹۸ فی صد ارکان ایسے ہیں جو جاگیرداری، سرمایہ داری، لوٹ کھسوٹ اور ناانصافیوں کے خلاف عملی جدوجہد کے ذریعے اپنے عزائم کی نشاندہی کر چکے ہیں۔ ان کی موجودگی میں ایوان پنجاب میں کوئی فرد جرأت نہیں کر سکے گا کہ وہ جاگیردار، سرمایہ دار یا نوکر شاہی کے مفادات کا محافظ بنے۔

شیخ صاحب نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا "ہم سب سے پہلے کھیت مزدور کے مسائل کی طرف توجہ دیں گے۔ کسان ظالم جاگیردار کے جبر و تشدد کو مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ سیاسی شعور رکھتا ہے اور بساطِ سیاست الٹنے کا پورا اہل ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ پنجاب میں اپنے منشور کے مطابق زیادہ سے زیادہ ایک سال کی مدت میں زمینیں کسانوں میں تقسیم کر دے گی۔ حق ملکیت پچاس سے ڈیڑھ سو ایکڑ تک ہوگا۔ اس سے زائد اراضی کا مالک کسان ہوگا۔ اس میں کسی کے ساتھ رعایت نہیں برتی جائے گی اور مزاحمت کرنیوالوں کو سر اٹھانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بھٹو صاحب، صاف کہہ چکے ہیں کہ عوام کے خلاف سازشیں بند کرو، ایسا نہ ہو کہ اسے نمٹنے کے لئے عوام کے سیلاب کا بند کھولنا پڑے۔ ان حالات میں جاگیرداروں سرمایہ داروں اور نوکر شاہی پر بھی واضح ہو چکا ہے کہ آئندہ کوئی بھی حکومت عوام کی مرضی کے خلاف ایک قدم نہیں اٹھا سکتی۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہو گا کہ عوام کی اپنی حکومت عوام کے فیصلوں کو مسترد کر دے۔"

شیخ صاحب نے اس سے اتفاق کیا کہ ایک منظم سازش کے تحت عوامی قوتوں کو اقتدار کی منتقلی سے پہلے ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں جن سے بے چینی اور اضطراب پھیلنے کے امکانات ہیں۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی نے سازشیوں کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے بھرپور اقدامات کئے ہیں۔ کارکنوں کا عوام سے رابطہ جاری ہے۔ اس عوامی مہم کو مزید تیز کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو گریز نہیں جائے گا۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق سازشیوں کو بخوبی علم ہے کہ پیپلز پارٹی کا ایک اشارہ کافی ہے۔ عوام دشمنوں کے چہروں کو نہ صرف پہچانتے ہیں بلکہ اب ان کے ناپاک ارادوں اور گھناؤنے عزائم سے بھی آگاہ ہیں۔ عوام دشمن طاقتوں کو چاہیئے کہ راہِ راست پر آجائیں اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جینا اور مرنا سیکھ لیں۔ ان کے لئے اسی میں عافیت ہے۔

مزدوروں کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے شیخ رشید کہنے لگے "ہماری حکومت اولین فرصت میں مزدور رہنماؤں، کارکنوں اور ان کے ہمدردوں کو جیلوں سے نجات دلائے گی۔ پیپلز پارٹی اس بات میں پختہ یقین رکھتی ہے کہ وہ سرمایہ داروں کے خلاف مزدوروں کی جدوجہد میں پورا تعاون کریگی میرے نزدیک مزدوروں کے جائز حقوق کا نعرہ پرانا اور نوکر شاہی ذہن کی پیداوار ہے۔ مزدور کا حق ہے کہ وہ پیداواری ذرائع کا مالک ٹھہرے۔ پیداوار

باقی صفحہ ۲۶ پہ

سومنات فتح ہوگیا

پنجاب نے تین تاریخی بت گرائے ہیں۔

◀ لاہور میں پاکستان پیپلز پارٹی کی تلوار نے جماعتِ اسلامی کی ناک کاٹ دی۔ جاوید اقبال جماعت کے "پرسٹیج کنڈیڈیٹ" تھے۔ جماعت نے اس کے لئے اسلامی متحدہ محاذ کو بھینٹ چڑھا دیا ظاہراً اسلام کے مقدس نام پر پسندوں کا جو جال بنا تھا اسے تار تار کر کے اپنا اصلی روپ پیش کر دیا کہ لڑائی اسلام کے لئے نہیں بلکہ حصول اقتدار کے لئے ہے۔ متحدہ محاذ کیا معنی رکھتا ہے۔ درحقیقت مودودی صاحب نے درپردہ جو معاہدے کئے ہیں۔ انہیں نبھانا ہے۔ ان میں سے ایک معاہدہ جاوید اقبال کے ساتھ ہوا تھا۔

لاہور کا حلقہ ۳، جاوید اقبال کا بت، روح جماعتِ اسلامی کی، مٹی گارا پسندوں کا اور لیپ پوت، کونسل لیگ کی۔ لاہور کے حلقہ نمبر ۳ میں مقبوضہ اخبارات نے کافی بڑا بت کھڑا کر دیا تھا۔ یہ دھڑام سے زمین بوس ہو گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو جیت گئے۔

◀ دوسرا بت مودودیوں کے واشنگٹن "اچھرہ" میں ریزہ ریزہ ہو گیا۔ نائب امیر جماعتِ اسلامی، اسلام و کفر کی جنگ کے سالار، مودودی صاحب کے دستِ راست، پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کا طویل ترین خواب دیکھنے والے، میاں طفیل محمد چاروں شانے چت ہو گئے۔ عوام نے برج الٹ دیا۔ مودودی صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مہادیو کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہے۔ پورا لاہور اس نعرے سے گونج اٹھا کہ شیخ رشید نے سومنات کا مندر فتح کر لیا۔ "فاتح سومنات۔ شیخ رشید زندہ باد"

◀ راولپنڈی میں ایئر مارشل اصغر خان بھی ۷۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کو اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ آزاد امیدواری بھی ان کے جہاز کو تلوار کی کاٹ سے نہیں بچا سکی۔ اس کا صدمہ ان لوگوں کو بھی ہوا جو ایئر مارشل (ریٹائرڈ) سے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اپنی توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے اور جن کے بل بوتے پر ایئر مارشل (ریٹائرڈ) نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو چیلنج دینے کی جسارت تک ہوئی۔

●

خواجہ شہاب الدین کی "عقل کی کنجی" الطاف گوہر کی جیب میں تھی



سومار کو سیاسی رشوت میں چیئرمین بنایا گیا

شوکت صدیقی

نیشنل پریس ٹرسٹ کے دوسرے چیئرمین، میجر جنرل حیا الدین کا انتقال مئی ۱۹۶۵ء کے حادثہ قاہرہ میں ہوا۔ ان کے جانشین مسٹر عبدالکریم سومار کا تقرر اگست ۱۹۶۵ء میں ہوا۔ اس دو ڈھائی ماہ کے عرصے میں تین عارضی چیئرمین بھی مقرر ہوئے۔ پہلے پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین جناب سعید حسن، قائم مقام چیئرمین نامزد ہوئے۔ یہ نامزدگی بورڈ کے جس اجلاس میں ہوئی۔ اس میں صرف دو ٹرسٹیوں نے شرکت کی تھی اور ان دونوں کا تعلق بھی کراچی سے تھا۔ انھیں چیئرمین بنے دو، روز بھی نہ گزرے تھے کہ وہ بیرونی ممالک کے دورے پر چلے گئے۔ ان کے بعد جناب ممتاز حسن، قائم مقام چیئرمین کے قائم مقام بنا دیئے گئے۔ اس دفعہ ٹرسٹیوں کے بورڈ کا اجلاس بلانے کی بھی زحمت نہ گوارہ کی گئی۔ صرف راولپنڈی سے ٹیلی فون پر ہدایات آئی تھیں۔

جناب ممتاز حسن اس وقت نیشنل بنک کے مینیجنگ ڈائرکٹر بھی تھے۔ ٹرسٹ کے قائم مقام چیئرمین کی حیثیت سے ان کا تقرر بھی عارضی ثابت ہوا۔ ہفتہ بھر کے اندر اندر انھیں بھی اپنے بنک کی کسی ضرورت کے سلسلے میں پاکستان سے باہر جانا پڑا۔ لہٰذا چیئرمین کا عہدہ ایک بار پھر خالی ہو گیا۔ اور ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ تک خالی رہا۔ پھر جون ۱۹۶۵ء کی ایک چلچلاتی دوپہر کو کرنل مجید ملک راولپنڈی سے اچانک کراچی پہنچے اور ایئر پورٹ سے سیدھے ٹرسٹ کے دفتر آئے۔ اس زمانے میں وہ پروگیسو پیپرز لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائرکٹر تھے۔ قیام ان کا لاہور میں رہتا تھا انھیں فوری طور پر پنڈی طلب کیا گیا اور اب وہاں سے وہ کراچی آئے تھے۔

کرنل مجید ملک، مرکزی وزیر اطلاعات خواجہ شہاب الدین کا یہ پروانہ لے کر آئے تھے۔ کہ ٹرسٹ کا صدر دفتر کراچی سے راولپنڈی منتقل کر دیا جائے۔ ٹرسٹ کے سیکرٹری جمیل الدین عالی کے لئے حکم تھا کہ دفتر کا چارج فوراً مجید ملک کے سپرد کریں اور صدر دفتر کی منتقلی میں ان کی مدد کریں۔ اس کے ساتھ ہی جمیل الدین عالی کو یہ بھی ہدایت تھی کہ وہ صدر دفتر کے انتظامی امور سے کنارہ کشی اختیار کر کے ٹرسٹ کے پریس کی نگرانی کیا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چند ہی روز میں صدر دفتر راولپنڈی منتقل ہو گیا۔ وہ دو منزلہ شاندار عمارت خالی ہو گئی۔ جس کی نچلی منزل میں ٹرسٹ کے دفاتر تھے اور بالائی منزل پر ایک کشادہ ہال اور نصف درجن کمرے تھے، یہاں لائبریری، تحقیقاتی مرکز اور صحافیوں کا تربیتی ادارہ قائم، کرنے کا منصوبہ زیر عمل آنے والا تھا۔ مگر جناب اختر حسین کا یہ منصوبہ انہیں کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ ان کے بعد کسی نے اس طرف توجہ دینے کی زحمت گوارہ نہ کی

دراصل ٹرسٹ کا بنیادی مقصد وہ تھا بھی نہیں جسے اختر حسین صاحب عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

غرضیکہ ٹرسٹ کا دفتر راولپنڈی چلا گیا۔ جس کے لئے سابق میجر جنرل فضل مقیم کی کوٹھی کرائے پر لی گئی۔ اب خواجہ شہاب الدین ٹرسٹ کے چیئرمین تھے۔ کرنل مجید ملک وزارت اطلاعات کے سیکرٹری الطاف گوہر کی زیر نگرانی صدر دفتر کے انچارج تھے۔ جمیل الدین عالی کراچی میں پریس کی نگرانی کر رہے تھے اور ملازمت سے برطرفی کے حکمنامے کے منتظر تھے ٹرسٹ اب کھلم کھلا حکومت کی تحویل میں تھا اور وزارت اطلاعات کا ذیلی شعبہ بن چکا تھا۔ یہ تمام فیصلے بالکل اچانک ہوتے اور قطعی یک طرفہ۔ نہ ٹرسٹیوں کے بورڈ کا باقاعدہ اجلاس طلب کیا گیا، نہ ٹرسٹیوں سے مشورہ کیا گیا۔ نہ سٹلروں سے، ان کو ٹرسٹ سے کوئی دلچسپی بھی نہ تھی۔ وہ اس کے لئے چندہ دے کر بھول چکے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ٹرسٹ کے لئے انھوں نے جو رقم دی تھی اس کے صلے میں وہ انکم ٹیکس معاف کرا چکے تھے۔ پرمٹ اور لائسنس حاصل کر چکے تھے سرکاری مراعات حاصل کر چکے تھے۔ کاروباری نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو وہ اپنا زرِ اصل مع سود، در سود اور بھاری منافع کے ساتھ مختلف طریقوں سے واپس لے چکے تھے۔ لہٰذا ڈر کے مارے نہ وہ ٹرسٹ پر اپنا کوئی حق جتاتے تھے اور نہ اس کے معاملات میں دلچسپی رکھتے تھے۔

نیشنل پریس ٹرسٹ جب قائم ہوا تھا تو اسے خود مختار قومی ادارہ بتایا گیا تھا۔ ہر طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اب یہ پردہ اٹھ چکا تھا، اور اس پردے کے اٹھتے ہی دوسرے اخبارات ٹرسٹ کے پیچھے لگ گئے۔ طرح طرح کی،

نیشنل پریس ٹرسٹ وزارتِ اطلاعات کا ذیلی شعبہ بن گیا

باتیں ہونے لگیں۔ ایوب خاں نے اسی صورت حالات سے بچنے کے لئے ٹرسٹ کو غیر سرکاری ادارہ قرار دیا تھا۔ اس کے لئے ٹرسٹی نامزد کئے تھے۔ چیئرمین مقرر کیا تھا۔ علیحدہ دفتر بنوایا تھا۔ ورنہ وہ ٹرسٹ کے دس اخبارات براہِ راست بھی حکومت کی تحویل میں لے سکتے تھے۔ کوئی ان کا کیا بگاڑ لیتا۔

بات اخبارات کی تنقید تک رہتی تب بھی غنیمت تھی۔ لیکن بات آگے بڑھتی نظر آرہی تھی۔ حزبِ اختلاف کے بعض ارکان کو یہ کہتے سنا گیا کہ وہ ٹرسٹ کا مسئلہ قومی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں اٹھائیں گے اور انہوں نے اپنی تقریروں میں اٹھایا بھی۔ اس بدلتی صورت احوال نے ایوب خاں کو خاصہ پریشان کر دیا۔ ٹرسٹ کے بارے میں جو نئے فیصلے ہوتے۔ غالباً انہوں نے خود نہیں کئے تھے اور اگر ان کی مرضی سے ہوتے تھے تو ان کی نزاکت کا انہیں صحیح اندازہ نہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب الطاف گوہر ایوب خاں کی ناک کا بال سمجھے جاتے تھے۔ انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ اخبارات جو طبقۂ چہارم (FOURTH ESTATE) کہلاتے ہیں۔ ان کی قلمرو سے کسی طور باہر رہیں۔ رہے خواجہ شہاب الدین جو مرکزی وزیر اطلاعات تھے۔ ان کی عقل کی کنجی "الطاف گوہر کی جیب میں رہتی تھی۔ انہوں نے جیسا چاہا کرا لیا۔

کہا جاتا ہے کہ ان دنوں بڑھتی ہوئی تنقید سے گھبرا کر ایوب خاں، خواجہ شہاب الدین اور الطاف گوہر سے ناراض رہنے لگے تھے۔ چنانچہ ان کی ناراضگی رفع کرنے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ خواجہ شہاب الدین ٹرسٹ سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور ایک بار پھر ٹرسٹ کو غیر سرکاری ادارہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی طے کیا گیا کہ اس دفعہ چیئرمین بھی ایسا مقرر کیا جائے جس کا حکومت سے کوئی سرکاری تعلق نہ رہا ہو۔ لہٰذا ٹرسٹ کے لئے ایک ایسے ہی چیئرمین کی تلاش شروع ہوئی، قرعہ، مسٹر سومار کے نام نکلا اور وہ چیئرمین مقرر ہوئے نام ان کا جناب محمد شعیب نے تجویز کیا تھا۔ سفارش وزیر تجارت غلام فاروق نے کی تھی۔ لیکن اس تقرری کا بھی ایک سیاسی پس منظر تھا اور وہ یہ تھا۔

جنوری ۱۹۶۵ء میں صدارتی انتخاب ہوا۔ ایوب خاں کا مقابلہ محترمہ فاطمہ جناح سے تھا۔ سیاسی ماحول میں تبدیلی نمودار ہو رہی تھی۔ عوام کے تیور بدلے ہوتے تھے۔ ایوب خاں کی پوزیشن کمزور نظر آرہی تھی۔ فضا کا رنگ بدلتا دیکھ کر ایوب خاں کے بہت سے جانثاروں کے قدم ڈگمگانے لگے وفاداروں کی وفاداریاں بدلنے لگیں۔ ان میں سرکاری افسر بھی تھے اور سیاسی لیڈر بھی تھے۔ تاجر بھی تھے اور صنعتکار بھی تھے۔ پرانے رشتے ٹوٹ رہے تھے۔ نئے رشتے بن رہے تھے۔ خفیہ سرگرمیوں کا بازار گرم تھا۔ جو مصلحت اندیش تھے۔ وہ دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے۔ ان میں سیٹھ داؤد بھی تھے۔ انہوں نے ایوب خاں کی انتخابی مہم کے لئے بھی فنڈ دیا اور متحدہ حزب اختلاف کو بھی کثیر رقم دی۔ مشہور ہے کہ دو، کروڑ روپے دیئے تھے۔ یہ سودا کراچی میں طے ہوا تھا۔ ان دنوں شعیب صاحب کراچی کے "قصر ناز" میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ کراچی میں ایوب خاں کی انتخابی مہم کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ عبدالوحید خاں ان کے معاون تھے اور اس وقت مرکزی وزیر اطلاعات تھے۔ یوسف ہارون، زین نورانی اور اے۔ کے۔ سومار رفیق کار تھے۔ شعیب صاحب کو ایک ایک بات کی اطلاع ملتی۔ داؤد والے معاملے کی بھی ان کو خبر پہنچی۔ مگر وہ خاموش رہے۔ مصلحت اسی میں تھی۔

> سومار یہ طے کرانے پیرس گئے تھے کہ ہوٹل کی قیمت زرمبادلہ میں ادا کی جائے اور زیورچ کے بنک میں جمع کرادی جائے جس میں گوہر ایوب کا اکاؤنٹ تھا

مگر جب ایوب خاں صدارتی انتخاب میں کامیاب ہوئے تو سیٹھ داؤد زیرِ عتاب آئے۔ فینسی گروپ کاروباری دنیا میں داؤد کا رقیب ہے۔ قصہ سوئی گیس کا ہے اور سالہا سال سے چل رہا ہے۔ آج بھی دونوں میں مقدمے بازی ہو رہی ہے ایوب خاں کے دربار سے داؤد راندہ درگاہ ہوئے تو فینسی باریاب ہوئے۔ مسٹر سومار فینسی گروپ میں ڈائرکٹر ہیں۔ ان کے لائی مین کہلاتے ہیں۔ محمد شعیب کا قرب انہیں صدارتی انتخاب کے دوران ہی حاصل ہو گیا تھا۔ فینسی کے وسیلے سے ایوب خاں کے بھی قریب آگئے اور جب قومی اسمبلی کے رکن بنے تو یہ قربت اور بڑھی۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ وہ، ایوب خاں کے خاصے اعتماد میں آگئے۔ چنانچہ مشہور رہے کہ اسی اعتماد کی بدولت انہیں ایک "خفیہ مشن" پر ایک "شہزادے" کے پاس پیرس بھیجا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سوئٹزرلینڈ میں گوہر ایوب کا ایک شاندار ہوٹل تھا۔ جسے وہ فروخت کرنا چاہتے تھے، اور قیمت منہ مانگی چاہتے تھے۔ ویسے یہ سودا امیر علی فینسی کے ذریعے کراچی میں ہی طے ہو چکا تھا۔ مسٹر سومار صرف یہ طے کرانے پیرس گئے تھے کہ ہوٹل کی قیمت زرمبادلہ میں ادا کی جائے اور زیورچ کے اس بینک میں جمع کرا دی جائے جس میں گوہر ایوب کا اکاؤنٹ تھا۔

قصہ مختصر! یہ سودا خوش اسلوبی کے ساتھ طے ہوا مسٹر سومار، ایوب خاں کے حضور سرخرو ہوئے۔ اب وہ اپنی کارگزاری کا صلہ چاہتے تھے۔ نظریں ان کی لیلیٰ وزارت پر تھیں۔ مگر شعیب صاحب نے ٹرسٹ کی چیئرمین شپ پر ٹرخا دیا۔ انہوں نے اس کو بھی غنیمت جانا۔ دس بڑے قومی اخبارات ان کی عملداری میں تھے اور ملک کے ممتاز صحافیوں پر حکمرانی تھی۔ وقت وقت کی بات ہے، کہاں تو یہ عالم تھا کہ بقول ابراہیم جلیس، اشتہارات کے نرخ بھی مسٹر سومار کے بیانات کو اخبارات میں جگہ نہ ملتی تھی اب اس اقلیم میں ان کے نام کا ڈنکہ بجتا تھا۔ ان کا بیان آب و تاب سے چھپتا تھا۔ خبر چھپتی تھی۔ تقریر چھپتی تھی اور مع تصویر چھپتی تھی۔ سنی سنائی کہتا نہیں جو بیتی ہے وہ بتاتا ہوں۔ مسٹر سومار جب ٹرسٹ کے چیئرمین بنے تو میں روزنامہ "انجام" کا قائم مقام ایڈیٹر تھا۔ اسی زمانے میں "انجام" کے بورڈ آف ڈائرکٹرز نے اپنے ایک اجلاس

داؤد نے ایوب خان کے انتخابی فنڈ میں دو کروڑ روپے دیئے تھے؟

میں مجھے ایڈیٹر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن تقرر نامہ مسٹر سومار کے دستخط سے جاری ہوا۔ قسمت میں یہ دن دیکھنا بھی لکھا تھا۔

مسٹر سومار نیشنل پریس ٹرسٹ کے چیئرمین کیا بنے ان کے اعزاز میں تقریبات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ آئے دن کہیں نہ کہیں کوئی جلسہ ہوتا اور مہمان خصوصی سومار صاحب ہوتے۔ ان دنوں نہ معلوم کہاں سے شہر میں سماجی انجمنیں اور فلاحی ادارے ابل پڑے تھے ان کے بڑے ثقیل قسم کے نام ہوتے اور ناموں سے زیادہ ثقیل ان کے عہدیدار ہوتے جو اپنی خبریں چھپوانے پر اصرار کرتے اور وہ خبریں شائع بھی کرنی پڑتیں۔ اوپر سے یہی ہدایت آتی تھی اور اس سے بھی بڑا معرکہ مسٹر سومار کی تقریر ہوتی۔ صبح ہی سے اس کا اہتمام کیا جاتا۔ رپورٹر اور فوٹو گرافر کی ڈیوٹی لگائی جاتی۔ سومار صاحب جلسہ گاہ میں تقریر فرماتے رپورٹر اسے احاطہ تحریر میں لاتا۔ خبر بناتا۔ فوٹو گرافر مختلف زاویوں سے تصویریں بناتے۔ پھر یہ خبر اور تصویریں سومار صاحب کی خدمت میں پیش کی جاتیں۔ وہ تصویریں منتخب کرتے۔ خبر میں کانٹ چھانٹ کرتے۔ اس میں رنگ آمیزی کرتے۔ اس کی اشاعت کے لئے صفحہ اور کالم مقرر کرتے پھر اس کی کتابت ہوتی۔ کتابت کے لئے خوش نویس بھی خصوصی مقرر ہوتا۔ کاپی میں چسپاں ہونے کے بعد بھی خبر میں کئی بار تبدیلیاں ہوتیں۔ کچھ بڑھایا جاتا کچھ گھٹایا جاتا۔ جگہ بدلی جاتی۔ کالم بدلا جاتا۔ صفحہ بدلا جاتا۔ ہدایات رات گئے تک ٹیلی فون پر آتی رہتی۔ اس دوران ان کے افسر رابطہ بھی کئی بار آتے اور جب تک وہ اس پر آخری نظر نہ ڈال لیتے اور مطمئن نہیں ہو جاتے۔ اس وقت تک کاپی پریس نہ جاتی۔ ان چونچلوں میں اکثر کاپی تاخیر سے پریس گئی اور اخبار دیر سے شائع ہوا۔ سرکولیشن کا پڑا ہوا۔

سومار صاحب کی یہ سرگرمیاں صرف ان کی اپنی ذات تک محدود رہتیں، تب بھی غنیمت تھا۔ لیکن ان کی ذاتی رنجشیں، سیاسی چپقلشیں اور کاروباری رقابتیں بھی ٹرسٹ کے اخبارات کا حصہ بننے لگیں۔ رنگون والا، ٹرسٹ کے ایک بااثر ٹرسٹی تھے۔ مگر سومار صاحب سے ان کی لگتی تھی۔ لہٰذا ہدایت تھی کہ ان کا کسی طور اخبار میں ذکر نہ آئے غلام فاروق بھی ٹرسٹی تھے اور مرکزی وزیر صنعت و تجارت بھی تھے۔ ایک بار انہوں نے قومی اسمبلی میں ملکی صنعتوں پر بڑی زور دار تقریر کی۔ جن مسائل کی انہوں نے نشاندہی کی۔ اس سے فینسی گروپ پر زد پڑتی تھی رات کو سومار صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ اسمبلی کی کارروائی کا یہ حصہ ہرگز شائع نہ کیا جائے۔ یہ تو ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو ٹرسٹ کی انتظامیہ سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور جو ٹرسٹ سے غیر متعلق تھے۔ ان کے ساتھ خبروں کے معاملے میں جو کارروائیاں ہوئیں ان کی تفصیل کہاں تک بتائی جائے۔

یہ تھا اس "فلاحی ادارے" کا نصب العین جسے نیشنل پریس ٹرسٹ کہتے ہیں اور جس کے رجسٹرڈ چارٹر میں جلی حروف سے تحریر کیا گیا ہے کہ "ٹرسٹ ایک قومی ادارہ ہے۔ جس کا مقصد صحت مند بنیادوں پر قومی صحافت کی نشو ونما ہے۔ اسے ذاتی اغراض سے بلند بالا کر کے صوبائی عصبیت، علاقائی منافرت اور فرقہ واریت سے پاک صاف کرنا ہے"۔ یہ ٹرسٹ کا ایک پہلو ہے ع

مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

(جاری ہے)

انقلاب ایک نئی صبح کے دریچوں پر بندوق کے کندوں سے دستک

کمبوڈیا کا دلِ حریت پسندوں کے قدموں کی ب



پرنس سہانوک

چے گویرا لکھتا ہے:

انقلابی جنگیں، بازاروں میں آنسو گیس کے مقابلے میں سنگریزوں کے پتھراؤ سے نہیں لڑی جاتیں۔

رہے ہیں، ہر نئی صبح حریت پسندوں کو فتح اور نصرت کی نوید دیتی ہے۔ اور ہر غروب ہوتا ہوا آفتاب امریکی سامراج اور اس کے پروردہ لون نال حکومت کی موت کو اور قریب کر دیتا ہے۔

کو انہوں نے چھوٹی توپوں اور راکٹوں سے کمبوڈیا کے دارالحکومت نوم پنہہ پر انتہائی خوفناک حملہ کیا ہوائی اڈے اور فضائیہ کے دس طیاروں کو تباہ کر دیا اور نیپام بموں کے ایک ذخیرے کو آگ لگا دی جس سے پورا شہر لرز گیا۔ غیر ملکی صحافیوں کے مطابق حریت پسندوں کا یہ حملہ انتہائی خوفناک اور اتنا بھرپور تھا کہ انہوں نے آناً فاناً سرکاری فوج کے سینکڑوں فوجیوں کو ہلاک کر دیا اور فضائیہ کے تمام انجینیروں کو ہلاک و زخمی کر دیا۔ دھماکوں سے دارالحکومت کی عمارات لرز رہی تھیں۔ امریکی اور سرکاری فوجی چیختے چلاتے پناہ کے لئے بھاگ رہے تھے لیکن موت سائے کی طرح ان کا پیچھا کر رہی تھی۔ لوگ جانیں بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے لیکن کسی بھی جگہ خود کو محفوظ نہیں پاتے تھے۔ لوگوں کی چیخ و پکاریں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ قیامت کا سماں تھا



گی، نہ پُرامن ہڑتالوں سے، نہ وہ بپھرے انسانوں کے جذبات کے لاوے کا اُبال ہو گا جس میں دو تین روز میں آمروں کے ظلم کی عمارت ڈھا دی جائے گی۔ جنگ طویل ہو گی۔ ہولناک ہو گی۔ میدان جنگ گوریلوں کی قلعہ بندیاں ہوں گی۔ شہر ہوں گے۔ نبرد آزماؤں کے گھر ہونگے جہاں ظالموں کے ہاتھ مجاہدوں کے خاندانوں کو شکار گاہ سمجھ کر دراز ہوں گے۔ دیہاتی آبادی میں مقتولوں کی کٹیا میدانِ جنگ بنے گی۔ دشمن کی بمباری سے تباہ شدہ شہر دیہات اور میدانِ جنگ ہوں گے اور پھر فتح — آخری فتح"

اسی فتح اور آخری فتح کے لئے کمبوڈیا کے عوام اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ اپنے خون سے جدوجہد اور انقلاب کی تاریخ میں ایک نیا باب لکھ

گزشتہ سال جب کمبوڈیا کے سربراہ پرنس سہانوک سوویت یونین کا دورہ کر رہے تھے تو ۱۸ مارچ کو امریکی سامراج نے محلاتی سازشوں اور عوام دشمن لون نول ٹولے کے تعاون سے کمبوڈیا پر غاصبانہ قبضہ کر لیا پرنس سہانوک فوراً عوامی جمہوریہ چین پہنچے اور وہاں انہوں نے کمبوڈیا کی جلاوطن حکومت بنانے کا اعلان کیا۔ جسے فوراً چین نے تسلیم کر لیا۔ البتہ سوویت یونین نے امریکی سامراج سے اپنے گٹھ جوڑ کی بنا پر اسے ابھی تک تسلیم نہیں کیا ہے۔

گذشتہ مارچ سے اب تک کمبوڈیا کے حریت پسندوں نے امریکی سامراج اور لون نال کی پٹھو حکومت پر لاتعداد حملے کئے ہیں۔ ابھی ۲۲ جنوری

و ھاب صاب



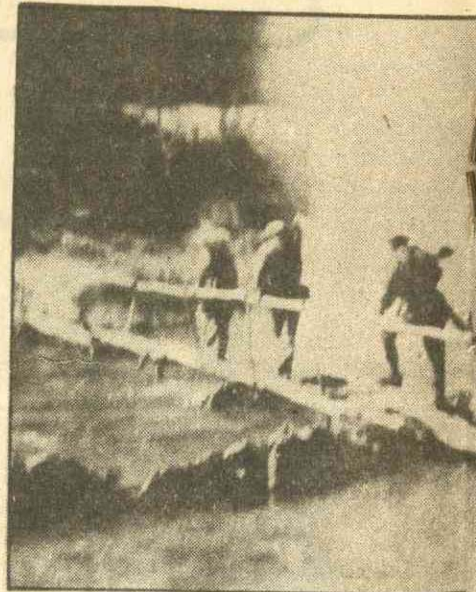
کمبوڈیا کے حریت پسند کامیاب حملے کے

دینے کا نام ہے

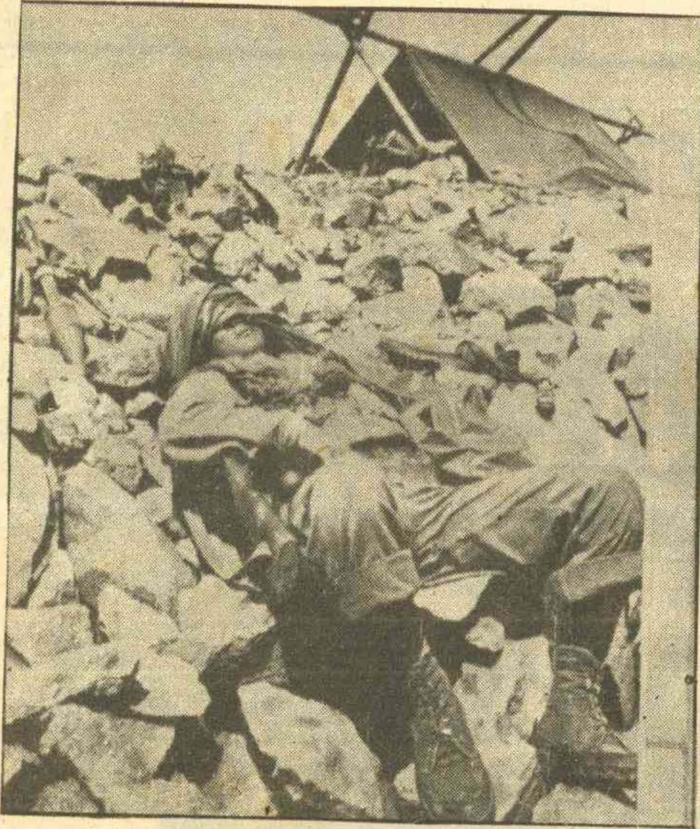
چاپ سے دھڑک رہا ہے

———— آگ کے شعلے کئی گھنٹے تک بلند ہوتے رہے، دھوئیں کے گہرے بادلوں نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لئے رکھا۔ حریت پسندوں کے جانے کے بعد کئی ٹرکوں کو لاشیں بھر کر لے جاتے دیکھا گیا۔

اس حملے کی فوری وجہ یہ تھی کہ امریکی سامراج نے کمبوڈیا پر اپنی گرفت مزید مضبوط کرنے کے لئے جنوبی ویت نام کی سامراج نواز اور عوام دشمن حکومت کی وساطت سے کمبوڈیا کو اقتصادی تعاون کے سنہرے جال میں جکڑنے کی کوشش کی تھی۔ کمبوڈیا کے سامراج دشمن عوام اور حریت پسندوں نے لون نال حکومت پر واضح کر دیا تھا کہ اگر کمبوڈی وزیراعظم نے جنوبی ویت نام کا دورہ کیا اور اقتصادی تعاون کے سمجھوتے پر دستخط کئے تو اس سے خوفناک انتقام لیا جائے گا۔ لیکن لون نول نے اپنے آقا کے اشارے پر اس وارننگ کو نظر انداز کر کے جنوبی ویت نام کا دورہ کیا اور تین نکاتی



بعد اپنے اڈے پر واپس جا رہے ہیں



کمبوڈیا کی پٹھو فوج تھک چکی ہے۔ ایک سپاہی لمبی تان کر سو رہا ہے

اقتصادی تعاون کے سمجھوتے پر دستخط کر دیئے اور جب وہ کمبوڈیا واپس آئے تو اس کے دو گھنٹے ہی بعد حریت پسندوں نے دارالحکومت پر حملہ کرنے کے بعد گھنٹوں شہر پر قبضہ رکھ کر ثابت کر دیا کہ سامراج حریت پسندوں کو نہیں روک سکتا۔

حریت پسندوں کی یہ جنگ آزادی اب آخری فتح سے ہمکنار ہونے والی ہے۔ انہوں نے کمبوڈیا کے دو تہائی حصہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ قومی متحدہ محاذ کے زیر اہتمام آزاد علاقے میں عوامی راج کے خطوط پر انتظامی ڈھانچہ قائم کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ علاقے جمہوریت، آزادی، خود مختاری اور حب الوطنی کا حقیقی نمونہ ہیں۔ اس لئے لون نول کی حکومت اس سے بہت خوفزدہ ہے۔ پرنس سیہانوک نے قوم کے نام اپنے سولہویں پیغام میں عوام کو مبارک باد دیتے ہوئے یہ مژدہ دیا ہے کہ وزیراعظم لون لول کی عوام دشمن اور سامراج کی پٹھو حکومت کا فوجی سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے دیوالیہ ہو گیا ہے اور اب وہ صرف چند قصبوں پر قابض ہے اور چند دنوں کی مہمان ہے۔ اس لئے عوام اپنی جدوجہد تیز کر دیں۔

کمبوڈیا کے عوام کی یہ جدوجہد اور جنگ آزادی سامراج دشمن عالمی انقلاب کا ایک حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے دنیا کی تمام سامراج دشمن طاقتیں کمبوڈیا کے حریت پسندوں کے ساتھ ہیں۔ شمالی ویت نام اور لاؤس کے جیالے دلیر اور بہادر عوام، کمبوڈیا کے حریت پسندوں کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں اور باقی دنیا کے تمام سامراج دشمن اور استحصال کے شکار عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ مادی طور سے کمتر اور تعداد کے لحاظ سے مختصر ہونے کے باوجود فتح یقیناً کمبوڈیا کے عوام کی ہو گی۔ کیونکہ چیئرمین ماؤزے تنگ نے کہا ہے۔ "بے شمار حقائق اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ منصفانہ نصب العین کو زبردست امداد و تعاون حاصل ہوتا ہے جب کہ غیر منصفانہ نصب العین کو بہت کم امداد و تعاون حاصل ہوتا ہے۔ ایک کمزور ملک طاقتور ملک کو شکست دے سکتا ہے اور ایک چھوٹا ملک بڑے ملک کو شکست

باقی صفحہ ۲۶ پر

مسلم لیگ کے دھڑوں کو ایک کرنے کے لئے دارالحکومت میں خفیہ اجلاس

مجیب الرحمٰن، دولتانہ اور قیوم خاں میں وجہ نزاع بن گئے ہیں

طاهر خلیل

تینوں مسلم لیگیں ایک بار پھر متحد ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ دارالحکومت کے سیاسی حلقوں میں یہ سوال زیر بحث ہے کہ آیا مسلم لیگ کے یہ تینوں دھڑے ایک ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے؟...... مسلم لیگ کے تینوں گروپوں کو متحد کرنے کی کوششوں کا دوبارہ آغاز دارالحکومت سے شروع ہو چکا ہے۔ تینوں لیگوں کے وہ رہنما جو حالیہ انتخابات میں اپنی ضمانتیں بھی نہ بچا سکے، جن کے مخالفانہ بیانات سے ماضی قریب میں اخبارات کے کالم سیاہ ہوتے تھے، آج کل اپنے تمام قدیم اور روائتی اختلافات کو فراموش کر کے یک جان و دو قالب ہونے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھ رہے ہیں۔

کونسل مسلم لیگ، قیوم لیگ اور کنونشن لیگ کی دھڑے بندیاں ختم کرنے کا آغاز گذشتہ سال کے وسط میں شروع ہوا تھا۔ اس ضمن میں کوششوں کی ابتدا وزیر خزانہ نواب مظفر علی قزلباش سے ہوئی۔ جن کے مشورے سے کنونشن



قیوم خان

لیگ کا فنڈ منجمد کر دیا گیا۔ تاکہ کنونشن لیگ کے وجود کو عملاً ختم کر کے اسے قیوم لیگ میں ضم کر دیا جائے۔ پاکستان کے بڑے سرمایہ دار اور جاگیر دار ماضی میں جن کے سربراہ ایوب خاں تھے ان کی جگہ خان قیوم نے لے لی تھی اس طرح قیوم لیگ اور کنونشن لیگ میں کوئی قدر غیر مشترک نہ تھی۔ سیاسی مبصرین کی یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی کہ کنونشن لیگ کے فنڈ کا انجماد نواب مظفر علی



ممتاز دولتانہ

قزلباش کے مشورے اور خان قیوم کے اصرار پر کیا گیا تھا۔ تاکہ مسلم لیگ کے تینوں گروپوں میں مفاہمت کی کوئی راہ ہموار ہو سکے۔ "شیر سرحد" کی خفیہ چالوں کو "شیر چاٹگام" نے بہت جلدی بھانپا، اور راولپنڈی کی ایک اخباری کانفرنس میں سیاسی مبصرین کی مذکورہ پیشین گوئی کی تصدیق کر ڈالی۔ عین اسی وقت سیاسی جوڑ توڑ کے بادشاہ جناب دولتانہ نے کونسل لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے ڈالا۔ دولتانہ صاحب کا استعفیٰ اس موقع پر متحدہ مسلم لیگ کے قیام کی کوشش سمجھا گیا۔ اور یہ بات درست ہے کہ جناب دولتانہ نے یہ استعفیٰ اپنی لیگ کی اندرونی دھڑے بندیوں سے تنگ آ کر دیا تھا۔ کونسل لیگ کی سیاست میں سردار شوکت حیات نے ایک مضبوط اور با اثر گروپ بنا لیا تھا۔ جو دولتانہ کی قیادت سے سخت نالاں تھا۔ اس



فضل القادر چودھری

گروپ کی سرکردگی میں ائیر مارشل نور خاں کو بھی پنجاب میں ایک خاص مقصد کے تحت اُچھالا گیا۔ بڑے جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کرایا گیا۔ لیکن ائیر مارشل نور خاں بھی دولتانہ صاحب کے داؤ پیچ نہ سہہ سکے اس طرح "شوکتِ پنجاب" کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

ادھر نوابزادہ نصر اللہ خاں جماعت اسلامی، جمہوری پارٹی اور دوسری "اسلام پسند" پارٹیوں کو متحد کرنے کی فکر میں تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے راولپنڈی سے کراچی تک کا طویل سفر ٹرین سے کیا۔ اور راستے بھر اپنے سیلون سے اسلام کے خطرہ کا نعرہ لگاتے رہے۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس وقت حکومت کی ساری مشینری سیاسی دھڑے بندیوں کا شکار تھی۔ ان تمام اقدامات کا مقصد صرف اور صرف ان قوتوں اور تحریکوں کو کچلنا تھا جو ابھرے ہی چلی جا رہی ہیں۔ یہ تحریک اور قوت طالب علم، مزدور اور کسان تھا۔ ترقی پسند طالب علموں، عوام دوست مزدوروں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا جو بڑھتے بڑھتے پیپلز پارٹی کے گریبان تک پہنچا۔ یہاں تک کہ بھٹو بانہیں چڑھا کر میدان میں اتر آئے۔ اور وہ تمام کارروائیاں جو اس وقت تک عوام کی نظروں سے کسی حد تک اوجھل تھیں منظر عام پر آگئیں۔ راجہ صاحب محمود آباد لندن سے پاکستان آئے تو تینوں لیگوں کے سرکردہ رہنماؤں نے ان سے قیادت کی درخواست کی،

ہوٹل ڈیسیسم میں شام کے ڈھلتے ہوئے سایوں نے ان کا گٹھ جوڑ بھی دیکھ لیا



سید علی اصغر شاہ



محمود احمد منٹو

لیکن وہ حالات کی نزاکت کو شاید جان چکے تھے، اس طرح تینوں لیگوں کے اتحاد کا مسئلہ ایک بار پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔ انتخابات میں ترقی پسند قوتوں کی بے مثال کامیابی نے تمام دولتانوں، نواب زادوں، ملکوں، سرداروں، قیوم خانوں اور شیروں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ کے یہ تینوں گروپ جنہیں باشعور عوام قطعی طور پہ رد کر چکے ہیں، عوام کی نظروں سے نظریں ملانے کے لئے ایک بار پھر کوششوں میں مصروف ہیں۔ حالیہ ضمنی انتخابات میں پشاور کے حلقے سے تجرباتی طور پران تینوں لیگوں کو متحد کیا گیا ہے، سابقہ قومی اسمبلی کے قائد حزب اختلاف مسٹر یوسف خٹک کو مشترکہ امیدوار کے طور پر سامنے لایا گیا۔ مسٹر یوسف خٹک جو بنیادی طور پر کونسل لیگ سے ہیں کو قیوم لیگ کا انتخابی نشان شیر الاٹ کیا گیا۔ اسی دوران اطلاع ملی تھی کہ خان قیوم نے مسٹر دولتانہ کو پشاور آنے کی دعوت دی لیکن دولتانہ کمالِ خوب سے جان بچا گئے۔ یوسف خٹک کی کامیابی نے تینوں لیگوں کی مردہ لاشوں میں ایک بار پھر جان ڈال دی ہے۔ اور سیاسی حلقے ۱۸ جنوری کو راولپنڈی میں تینوں لیگوں کے سرکردہ عہدیداروں کی ملاقات کو خاص اہمیت دے رہے ہیں۔ یہ ملاقات راولپنڈی کی پُرسکون شاہراہِ مال پر واقع خاموش ہوٹل ڈیسیسم میں شام کے ڈھلتے ہوئے سائے میں ہوئی۔ اس بات چیت میں کونسل لیگ کی طرف سے مقامی صدر خواجہ محمود احمد منٹو، ضلعی شاخ کے سربراہ سید غلام مصطفےٰ شاہ، خالد گیلانی، ملک صادق حسن اور ملک شریف کے علاوہ کونسل لیگ کے ایک پرانے رہنما مسٹر احمد حسن جوش ایڈووکیٹ کا نام قابل ذکر ہے۔ قیوم لیگ کی جانب سے مقامی آرگنائزر مسٹر مسعود علی چوہدری ایڈووکیٹ، راجہ احمد علی اور مسعود ملک ایڈووکیٹ، کنونشن لیگ کی طرف سے مقامی صدر سید علی اصغر شاہ، سردار عمر اور جمشید نواز نے شرکت کی تھی۔ اس بات چیت سے پتہ چلتا ہے کہ راولپنڈی کی سطح پر تینوں لیگوں میں اتحاد کا خاصا امکان ہے، لیکن قیوم لیگ اور کونسل لیگ کی مرکزی قیادت فی الحال اس بات کی اجازت نہیں دے گی کہ کسی مقام پر متحدہ مسلم لیگ قائم کر دی جائے۔ اس کی بڑی وجہ شیخ مجیب الرحمان کے مسئلہ پہ خان قیوم اور جناب دولتانہ میں شدید اختلاف ہے، جناب دولتانہ ماضی میں شیخ مجیب الرحمان کے بہت نزدیک رہے ہیں۔ اپنے ان ہی "تعلقات" کی بنا پہ وہ شیخ صاحب کے منظورِ نظر بن سکتے ہیں۔ جبکہ خان قیوم "مضبوط مرکز" کے نعرہ پر شیخ صاحب سے سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال کے پیشِ نظر خان قیوم اور دولتانہ صاحب کا ایک پلیٹ فارم پر مِل جانا ممکن نظر نہیں آتا۔ ایک اطلاع کے مطابق ۲۹ جنوری کو چار بجے شام مسٹر احمد حسن جوش کی قیام گاہ پر تینوں لیگوں کے رہنما پھر مِل رہے ہیں۔ جس میں واضح لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔ اور مسٹر احمد حسن جوش کو مقامی سطح پر متحدہ مسلم لیگ کا سربراہ مقرر کر دیا جائے گا۔ کیا ایسا ممکن ہو سکے گا۔۔؟

بقیہ :- شیخ رشید

محنت کی محتاج ہے اور محنت کش ہی پیداوار کا مالک ہے۔ اس ضمن میں جائز اور ناجائز حقوق کوئی معنی نہیں رکھتے۔ جائز حقوق کی اصطلاح سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی ہے۔ انہوں نے مزدوروں کی جدوجہد کو کمزور کرنے کے لئے اپنی مرضی کے مطابق قوانین بنائے۔ یہ قوانین سرمایہ داروں کے حقوق کے نگہبان ٹھہرے۔ سرمایہ داروں نے جب ان کے بھی پرخچے اڑائے تو پھر جائز حقوق کا مسئلہ سامنے آیا یعنی کہ جو مراعات ان قوانین میں دی گئی ہیں وہ جائز ہیں اور جن کا تذکرہ موجود نہیں وہ ناجائز۔ پیپلز پارٹی مزدوروں کے جملہ حقوق کی پاسبانی کرے گی۔ اور جیلیں ان لوگوں کا مقدر بنیں گی جو ان کے حقوق سے روگردانی کریں گے۔

بقیہ :- کمبوڈیا

دے سکتا ہے۔ ایک چھوٹے ملک کے عوام یقیناً بڑے ملک کی جارحیت کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ جدوجہد کرنے اور ہتھیار اُٹھانے کی جرأت کریں اور اپنے ملک کی قسمت خود اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ یہ تاریخ کا ایک قانون ہے۔"

اب ویت نام اور لاؤس کے بعد کمبوڈیا ماؤزے تنگ کے اس قول کی عملی تفسیر پیش کر رہا ہے۔ حریت پسندوں کا قافلہ اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے عظیم تر فتح حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے اور دُنیا بھر کے انقلابیوں کو پیغام دے رہا ہے کہ انقلاب کافی ہاؤسوں اور ہوٹلوں میں بیٹھنے کا نام نہیں۔ انقلاب بند گلے کے کوٹ یا کھدر کے کرتے پہننے کا نام نہیں۔ انقلاب انقلابی تقریریں کرنے کا نام بھی نہیں اور انقلاب صرف ہڑتالیں کرانے اور پولیس پر پتھراؤ کر کے بھاگ جانے کا نام بھی نہیں ہے۔ بلکہ انقلاب عظیم تر فکر سے مسلح ہو کر ایک نئی صبح کے دریچوں پر بندوق کے کندوں سے دستک دینے کا نام ہے۔

پی ای سی ایچ ایس کالج میں ایجوکیشن انڈسٹری کے بڑوں کی خفیہ ملاقات

تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ پر ریڈ ٹیپ چڑھانے کی سازش

وقائع نویس

نیشنل کالج کے بارے میں مارشل لا کی قائم کردہ "تحقیقاتی کمیٹی" کی رپورٹ کی اشاعت کا تعلیمی حلقوں نے زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے حلقوں نے یہ جاننے کے لئے دفتر پر دھاوا بول رکھا ہے کہ یہ دستاویز جسے انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا اور جسے ہماری تعلیمی صنعت کے وڈیروں نے "ایک بھولی ہوئی داستان" بنا دیا تھا۔ اچانک ہمارے ہاتھ کیونکر لگ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ حسب ذیل سوالات ہمارے ذہن میں بھی پیدا ہوتے ہیں

۱ـ یہ رپورٹ جسے پیش کئے ہوئے ایک مدت گزر چکی ہے۔ آج تک شائع کیوں نہیں کی گئی؟ اسے اتنا خفیہ رکھنے میں کیا مصلحتیں کارفرما تھیں۔

۲ـ رپورٹ میں جن سنگین بدعنوانیوں کا انکشاف کیا گیا تھا ان پر آج تک کوئی کارروائی عمل میں کیوں نہیں آئی اور وہ کون سے سرکاری اہلکار ہیں جو اس مجرمانہ پردہ پوشی کے خطاوار ہیں۔

۳ـ اس وقت ویسٹ پاکستان ٹیچرز ایسوسی ایشن کی صدر مس انیتہ غلام علی تھیں جو ایسوسی ایشن کے دوسرے نمائندوں کے ساتھ اس کمیٹی میں شامل تھیں اور اس رپورٹ کی نقل ایسوسی ایشن کو بھی دی گئی تھی، لیکن کون سے عوامل تھے جن کی بنیاد پر ایسوسی ایشن نے بھی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کیا اور کمیٹی کی رپورٹ کو خفیہ رکھنے میں ایک معاون کا کردار کیا؟

نوکر شاہی اور استحصالیوں کا گٹھ جوڑ کوئی نئی یا چونکانے والی بات نہیں ہے۔ نوکر شاہی استحصالی نظام کے ڈھانچوں کو سہارا دے کر پروان چڑھانے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ وہ اپنا یہ کردار ہر سطح پر ادا کر رہی ہے۔ اس اعتبار سے تعلیم کے شعبہ میں حسن عادل اے ایم قریشی اور اس قسم کے دوسرے تمام مالکان سے نوکر شاہی کا گٹھ جوڑ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ لیکن کارکن اساتذہ کی نمائندہ ایسوسی ایشن کی سربراہ جنہوں نے اساتذہ کے حقوق کے لئے چلائی جانے والی بعض تحریکوں کی کامیاب قیادت بھی کی ہے۔ جب اس گٹھ جوڑ میں شریک ہو جائیں تو یہ ٹریڈ یونین تحریک کا ایک المیہ بن جاتا ہے۔

سرکاری امداد خرد برد کرنے کے سلسلے میں کتنے جانیوالے بھیانک فراڈ پر تعلیمی ڈائریکٹریٹ کی، خاموشی ایک بھیانک جرم ہے اور ہم نوکر شاہی کے بدعنوان افسروں کو سر عام ننگا کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ تو ہماری زد سے کبھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ لیکن اساتذہ کے مفادات کے لئے جنگ کرنیوالی نمائندہ جماعت پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بدعنوانیوں کی تحقیقات کے سلسلے میں ایک شریک کار ہوتے ہوئے ان بدعنوانیوں کو سر عام لانے میں کسی قسم کے تغافل کا مظاہرہ نہ کرتی، جو در اصل اساتذہ کے ہونے والے استحصال کی ایک بڑی وجہ ہیں۔ ہماری اطلاعات کے مطابق ٹیچرز ایسوسی ایشن کی صدر مس انیتہ غلام علی نے تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کو خفیہ رکھنے کے لئے کالجوں کی بدعنوان انتظامیہ کی کوششوں سے تعاون کیا۔ اور ایسوسی ایشن کے اراکین تک کو اس رپورٹ کی ہوا نہیں لگنے دی۔ نئے سال کے لئے ایسوسی ایشن کے انتخابات مکمل ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک یہ رپورٹ نئے آنے والے منتخب عہدیداروں کے حوالے نہیں کی گئی۔ یہ رازداری جو یقیناً نجی کالجوں کے مالکان کی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے ہی کی ایک کوشش سمجھی جائے گی۔

اساتذہ کی تنخواہوں کے سلسلے میں جو آرڈیننس آئے ان کا تفصیلی جائزہ تو پھر کر لیں گے لیکن ان کے سلسلے میں جو مختلف سازشیں ہوئیں اور مالکان نے جو رویہ اختیار کیا وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ جس وقت مغربی پاکستان کے گورنر جناب عتیق الرحمٰن تھے۔ اس وقت اساتذہ کے سلسلے میں ایک آرڈیننس نافذ کیا گیا تھا، جس میں سابقہ مغربی پاکستان کے تمام اساتذہ کی تنخواہوں کے اسکیل اور دوسرے حالاتِ کار متعین کئے گئے تھے۔ ون یونٹ ٹوٹنے کے بعد یہ آرڈیننس صرف صوبہ پنجاب میں نافذ رہا جبکہ دوسرے صوبوں پر اس کا اطلاق روک دیا گیا۔ سندھ کے لئے گورنر رحمان گل نے نیا آرڈیننس نافذ کیا۔ اس آرڈیننس کے تحت اساتذہ کو وہ سہولتیں اور تنخواہوں کے وہ اسکیل نہیں دیئے گئے جن کا وہ مطالبہ کر رہے تھے۔ اساتذہ نے اس آرڈیننس کو مسترد کر دیا۔ لیکن اس آرڈیننس کو اساتذہ سے تسلیم کرانے کے لئے درپردہ جوڑ توڑ کا سلسلہ شروع کیا۔

ہماری اطلاع کے مطابق پی ای سی ایچ ایس گرلز کالج میں نجی کالجوں کی انتظامیوں کے چار بڑوں کا ایک خفیہ اجلاس ہوا جس میں مس انیتہ غلام علی بھی شریک تھیں۔ اس اجلاس میں مس انیتہ غلام علی نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ ان کی ایسوسی ایشن اس آرڈیننس کو قبول کرے گی۔ اس کے بعد ہی مس انیتہ غلام علی اور ان کے پورے گروپ نے ایسوسی ایشن میں اس بات

باقی صفحہ ۴۲ پر

محنت کش

یہاں چھٹی کے دن بھی کام لیا جاتا ہے

—: مصطفیٰ :—

کہنے کو تو ملک میں مزدور قوانین بھی ہیں محکمہ محنت بھی اور وزارت محنت بھی۔ مگر قانون کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو جب تک اس پر عمل درآمد نہ ہو سکے۔ اس کی حیثیت وعظ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یوں تو سرمایہ دارانہ جمہوریت میں تمام قوانین آخری تجزیئے کے مطابق سرمایہ داروں کے ہی مفاد کا تحفظ کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی دور کی بات ہے آپ دیکھیں کہ سرمایہ دار خود اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو کس طرح پاؤں تلے روندتے ہیں مگر کسی کی مجال نہیں کہ ان کو پوچھے۔

منگھو پیر کے صنعتی علاقے میں واقع العظمت سلک مل میں ریشمی کپڑے اور ایمبرائیڈری کا کام ہوتا ہے جہاں سینکڑوں مزدور کام کرتے ہیں۔ قانون یہ ہے کہ اگر کسی مزدور سے آٹھ گھنٹے سے زیادہ کام لیا جائے تو اسے ڈبل اوور ٹائم ملنا چاہئیے۔ مگر اس کارخانے میں روزانہ تین کی بجائے بارہ بارہ گھنٹے کی دو شفٹیں جبراً چلائی جاتی ہیں مگر اوور ٹائم نہیں دیا جاتا اور ۱۲ گھنٹے زائد کام نہ کرنے والوں کو برطرف کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح چھ دن مسلسل کام کرنے کے بعد قانون یہ ہے کہ مزدور کو آرام کرنے کی غرض سے ہفتہ واری چھٹی ضرور ملنی چاہیئے مگر اس کارخانے میں مزدوروں کو اتوار کے دن بھی کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ ہفتہ واری چھٹی کے دن بھی مزدوروں سے زبردستی کام لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی صحت پر بھی اثر پڑتا ہے یعنی مطلب یہ ہوا کہ اس کارخانے میں ہر مزدور کو سارا سال بغیر چھٹی کے مسلسل کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور انکار کی صورت میں بے روزگاری کی تلوار اس کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔

اس صورتِ حال کا محکمہ محنت کو پوری طرح علم ہے اور وہاں کے مزدور انفرادی یا اجتماعی طور پر مسلسل اس بات کے خلاف احتجاج کرتے چلے آئے ہیں مگر محکمہ محنت یا وزارت محنت یا کسی اور متعلق ادارے میں کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ البتہ مالکان کو انتقامی کارروائیوں کا موقع ضرور مل جاتا ہے۔

اور سنیئے کہ یہاں ہر تین ماہ بعد مزدوروں کی ملازمت مستقل کرنے کی بجائے انہیں نکال دیا جاتا ہے تاکہ مستقل ملازم ہونے کی صورت میں وہ تنخواہ دار چھٹیاں۔ گریجوٹی۔ نوٹس کی تنخواہ یا بونس وغیرہ کے قانونی حقوق طلب نہ کر سکیں۔

آپ سوچیں گے کہ پھر یہاں بغیر ہنر مند مزدوروں کے کیسے کام چلتا ہوگا۔ مگر سرمایہ دار بہت شاطر جانور کا نام ہے۔ یہ سب کچھ تو وہ اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کو ذلیل کرنے کے لئے کرتے ہیں ورنہ اول تو ملک میں بے پناہ بے روزگاری کی وجہ سے انہیں نئے مزدور مل جاتے ہیں لیکن اکثر اوقات وہ ان ہی مزدوروں کو ایک دو دن کے بعد دوبارہ نئے سرے سے ملازم رکھ لیتے ہیں۔ اس طرح وہ نہ صرف مزدوروں کو انکے جائز حقوق سے محروم کر دیتے ہیں بلکہ وہ مزدوروں کے سامنے اپنے آپ کو ان داتا ثابت کرکے انہیں مطیع رکھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلسل عارضی ملازمت اور وہ بھی غیر محفوظ ہونے کے باعث مزدوروں کی اکثریت یونین سازی کے ذریعے جدوجہد کرنے سے گریز کرتی ہے اور سرمایہ دار کامل اطمینان سے ان کا استحصال کرنے میں مصروف رہتا ہے

اس ملز کے مزدوروں کے خلاف خصوصاً خود یونین کے کارکنوں کے خلاف مالکان کے ظلم کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس یونین کا الحاق متحدہ مزدور فیڈریشن کے ساتھ ہے جس کے صدر عثمان بلوچ ہیں

باقی صفحہ ۴۲ پر

Phones { Office : 221233 / Mills : 79223

AL-AZMAT LTD.

SPECIALIZED IN :
[illegible], SILK & [illegible] FABRICS

OFFICE:
[illegible] MARKET
[illegible] ROAD
[illegible]

MILLS :
19-D, MANGHOPIR ROAD
S. I. T. E.
KARACHI

Ref. No. ____ Date 9-9- 1970

نوٹس

تمام کارگران کو مطلع کیا جاتا ہے
کہ مورخہ 6-9-70 بروز اتوار کو مل چلے گا
[illegible]
کارگران [illegible] تبدیل نہیں ہوگی۔
[illegible]

ایک ناقابل تردید دستاویزی ثبوت

عوام دشمن خود عوامی انقلاب کو قریب تر لا رہے ہیں

وقت آ رہا ہے۔
اخوت کو اس ملک
کی سیاست بننے
سے کوئی نہیں
روک سکتا



بھٹو صاحب ڈھاکہ ایئر پورٹ پر پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

—— : افضل صدیقی : ——

اسلام کے بٹے ہوئے مہرے نئے کو پسند کرنے والے سیاست نئے چولے پہن کر باشعور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ الیکشن کے نتائج نے بھی ان کی آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ پٹی پٹائی لکیر کو مسلسل پیٹتے جا رہے ہیں۔ ملک کی ترقی پسند جماعتوں کے حق میں عوام کی واضح اکثریت نے جو فیصلہ دیا ہے اسے وہ اب تک نہ صرف تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ عوام کی توہین کرنے پر بھی اتر آئے ہیں۔ اور جوش انتقام میں یہ بھول گئے ہیں کہ وہ وقت پھر آئے گا جب انہیں ووٹوں کے لئے بھیک کا پیالہ لے کر انہی عوام کے در پر جانا پڑے گا۔ دیوار ہیرا پھیری سے تو باز آ نہیں سکتا، وقت اور تاریخ کا جو فیصلہ نہیں مانتے وہ وقت ہی کے ریلے میں بہہ جاتے ہیں۔ اور تاریخ انہیں ہمیشہ کے لئے محو کر دیتی ہے۔ انہیں۔ حقیقت شاید نہیں معلوم۔ یہ لوگ آخر اپنی کونسی اغراض اب پوری کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً یہ ان کی اپنی اغراض اور ان کے اپنے مفادات نہیں ہیں۔ وہ تو محض کٹھ پتلیاں ہیں۔ ان کو نچانے والا کوئی اور ہی ہے اور وہ اپنے وطن کا نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وطن سے باہر کے لوگ سب کے سب ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ ایوب خاں کی کتاب پڑھنے کے بعد تو وہ دوست نہنے سے رہے۔ وہ بے چارا بھی کٹھ پتلی تھا اور اس میں استعمال ہونے کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ ہی تھی۔ اس لئے وہ خاصے طویل عرصے تک قوم کو بیوقوف بناتا رہا۔ لیکن یہ جو پتلیاں سینکڑوں کی تعداد میں کروڑوں پاکستانیوں کو اپنے چشم و ابرو کے اشارے پر چلانے کے لئے اور اپنے وطن کی آبرو فاحشہ سامراج کے قدموں میں ڈالنے کے لئے اب کونسا فیلڈ مارشل آئے گا ہم کیا عوام اب کوئی اور مارشل لا گوارا کر لیں گے؟ کیا عوام میں اپنے حالات خود سدھارنے کی سکت پیدا نہیں ہوئی؟

یقیناً ایسا نہیں ہے۔ وہ اپنے حالات ہی نہیں اپنے دشمنوں کو بھی ہمیشہ کے لئے ٹھیک کر دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ وقت کے انتظار میں ہیں اور جس لمحے کا وہ انتظار کر رہے ہیں۔ اس لمحے کو ان کے دشمن ان کے قریب لا رہے ہیں۔ یہ دشمن اپنے ہی پھیلائے ہوئے دام میں پھنسنے والے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں ہو کر رہے گا۔ وہ اگر انقلاب کے متمنی ہیں تو یہ انقلاب ان کی پسند کا نہیں ہوگا۔ یہ انقلاب آئے گا ضرور، مگر اسے عوام خود لائیں گے۔ اور جب یہ آندھی چلے گی تو یہ سارے دشمن تنکوں کی طرح اڑ جائیں گے۔ ان میں سے کسی کی داستان تاریخ کے کسی صفحے پر نہ مل سکے گی۔ کسی کو یاد بھی نہ رہے گا کہ یوسف ہارون کس چڑیا کا نام تھا۔ مودودی، نصراللہ خاں، کھوڑو، اصغر خاں، دولتانہ، جی ایم سید۔ پیر علی محمد راشدی، قیوم خاں، نور خاں، کس کھیت کی مولیاں تھیں۔ داؤد اور آدم جی کس ملک کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے کوئی اگر اپنے آپ کو زندہ سمجھتا ہے تو اسے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ تاریخ کا عمل بہت تیز ہو چکا ہے۔

اب پاکستان پر پریس انٹرنیشنل کتنی ہی بے بنیاد خبریں گھڑ لے کچھ نہیں ہوگا۔ کسی غیر ملکی مصنف کی کتاب کے دوبارہ

الفتح



مجیب اور بھٹو کے بعد اب مشرقی اور مغربی پاکستان گلے ملیں گے

چھیننے پر کتنے ہی ہنگامے کیوں نہ کئے جائیں۔ لسانی تفریق پھیلا کر خون خرابہ کرنے کی کتنی ہی کوشش نہ کی جائے۔ نادار عوام کی زندگی اجیرن بنانے کے لئے ضروریات زندگی کتنی ہی گراں کیوں نہ کر دی جائیں فاتح جماعتوں کے قائدین کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر آئین سازی کی منزل دور سے دور تر کیوں نہ کر دی جائے۔ کارخانوں میں تالے ہی کیوں نہ ڈال دیئے جائیں۔ محنت کشوں سے ان کی روزی کیوں نہ چھین لی جائے۔ بے بنیاد افواہوں کے ذریعہ ان پڑھ لوگوں کو گمراہ کرنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے ان سب ہتھکنڈوں سے کچھ نہیں ہو گا۔

انتخابات میں وہی ہوا جو عوام نے چاہا۔ انتخابات کے بعد اب وہی کچھ ہو گا جو عوام چاہیں گے۔ عوام کیا چاہتے ہیں، وہ عوام دشمنوں کو دیوار پر لکھا ہوا صاف نظر آ جائے گا۔ بشرطیکہ وہ تعصب اور تنگ دلی کی عینک آنکھوں سے اتار کر رکھ دیں۔

عوام اپنی حکومت چاہتے ہیں، کارخانوں پر زمینوں پر۔ اخباروں پر۔ وسائل پیداوار پر۔ دولت پر پورے ملک پر وہ اپنی ہی حکومت کا پرچم لہرانا چاہتے ہیں۔ ان کی اس خواہش کو کوئی سازش نہیں دبا سکتی اپنے اقتدار کے لئے وہ راہ کی ہر رکاوٹ کو ٹھوکر وں سے ہٹا دینے کا شعور ہی نہیں طاقت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اور یہ طاقت انہیں ان کے دشمنوں ہی نے عطا کی ہے۔

پاکستان پریس انٹرنیشنل نے یہ خبر دی تھی "مغربی پاکستان کے ستر منتخب اراکین اسمبلی بھٹو کو نظر انداز کر کے شیخ مجیب الرحمان اور عوامی لیگ سے جا ملیں گے اور پیپلز پارٹی کے گنے چنے منتخب ارکان کو حزب اختلاف میں بیٹھنے پر مجبور ہونا پڑے گا" عوام نے دیکھ لیا کہ اس پیشین گوئی کا پہلا حصہ ہی درست ثابت نہیں ہوا۔ اسی ایجنسی نے یہ خبر دی کہ شیخ مجیب مغربی پاکستان کی کسی سیاسی جماعت کا تعاون حاصل کئے بغیر آئین اور حکومت بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عوام نے دیکھ لیا کہ شیخ مجیب کا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ وہ آئین سازی جیسے اہم کام کے لئے ہر جماعت کا تعاون حاصل کرنے کو تیار ہیں۔ مودودی تو اب خود کم ہی بولتے ہیں۔ اپنی پالیسی کی باتیں وہ پی پی آئی کی خبر کی صورت میں دائیں بازو کے اخبارات میں چھپوا کر خوش ہو لیتے ہیں یہ خبر بھی پی پی آئی ہی کی تھی کہ چونکہ عوامی لیگ قرآن و سنت کے منافی کوئی آئین بنانا نہیں چاہتی اس لئے مودودی جماعت بھی عوامی لیگ سے تعاون کو اولیت دے گی۔ اب عوام اتنے ناسمجھ نہیں رہے کہ وہ اس تاویل کے معنی و مفہوم کو نہ سمجھ سکیں۔ وہ شیخ مجیب کا یہ اعلان سن چکے ہیں کہ پاکستان میں سوشلسٹ اقتصادی نظام قائم کیا جائے گا۔ عوام دیکھ رہے ہیں کہ شیخ مجیب اور بھٹو میں تعاون بڑھ رہا ہے۔ دونوں مل چکے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو گلے لگا چکے ہیں وہ پھر ملیں گے۔ اب مجیب اور بھٹو بغلگیر نہیں ہوں گے بلکہ مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے بغل گیر ہو جائے گا۔ عوام دیکھ رہے ہیں۔ عوام دیکھ لیں گے۔

اب اسی خبر رساں ایجنسی کا تازہ شاہکار بھی لوگوں کی نظروں سے گذرا ہو گا۔ یہ خبر "اسلامی" اخباروں نے صفحہ اول پر چھاپی ہے۔ یہ خبر آئی کہاں سے ہے ہے۔ شکارپور سے — انگریزی میں اس خبر کے الفاظ خدا معلوم کیا ہوں گے۔ لیکن ایک کثیر الاشتہارات اخبار نے اردو میں ان الفاظ کے ساتھ چھاپا ہے۔

"قومی اسمبلی کے منتخب آزاد رکن مولانا ظفر انصاری اسلامی محاذ بنا کر قومی اسمبلی میں تمام اسلام پسند عناصر کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مولانا انصاری کے قریبی حلقوں کا کہنا ہے کہ اس محاذ میں جماعت اسلامی جمعیت العلمائے پاکستان۔ جمعیت علمائے اسلام جیسی تنظیمیں شامل ہو جائیں گی۔"

یہ خبر بے سر اور بے پیر کی ہے یا نہیں۔ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ پہلے مولانا انصاری نے اسلامی متحدہ محاذ بنا لیا۔ اور اب اسلام پسند عناصر کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان دونوں میں سے انہوں نے کونسا عمل پہلے کیا ہے۔ یہ پی پی آئی بتا سکتی ہے یا اس اخبار کا مترجم۔ مولانا کے قریبی حلقے جنہیں عام میں رہتے ہیں اور وہ حلقے یہ بتاتے ہیں کہ اس محاذ میں جمعیت العلمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کے سوا ہر اسلام پسند تنظیم شامل ہو جائے گی۔ مولانا ظفر انصاری خاصے نیک آدمی ہیں۔ انہیں بدنام کرنے کی مہم پی پی آئی چلا رہی ہے۔ مولانا کو آزاد چھوڑنے والی جماعت اسلامی ہوشیار۔

باخبر حلقے یہ بتاتے ہیں کہ اس قسم کی خبریں خود اس خبر رساں ایجنسی کے مالک و مختار خود تیار کرتے ہیں۔ ایسی خبروں کی ذمہ داری کارکن صحافیوں پر نہیں عوام نے شکارپور کی ڈیٹ لائن سے چھپی ہوئی پی پی آئی کی یہ خبر پڑھی یا کسی سے سنی وہ جان گئے کہ یہ ایجنسی جماعت اسلامی کی دوست تو ہے مگر مولانا

ظفر انصاری کی نہیں۔

مودودی نے انتخابات کے نتائج آنے سے پہلے ہی دھاندلیوں کا فتویٰ دے دیا تھا اور پھر ذرا رک کر سارا الزام اَن پڑھ عوام پر ڈال دیا کہ وہ دھوکے میں آگئے۔ نوابزادہ نصراللہ نے بھی یہی کہا کہ عوام کو بہکایا گیا ہے اور گمراہ کر دیے گئے ہیں۔ یہ ان کا اپنا فیصلہ نہیں ہے۔ مگر خود نوابزادہ صاحب کی بیساکھی سرفراز خاں نے جب یہ کہا کہ عوام نے جو فیصلہ دیا ہے اسے فراخ دلی سے سب کو قبول کر لینا چاہیے تو عوام سمجھ گئے کہ ان کو دھوکے باز اور گمراہ قرار دے کر ان کی توہین کرنے والے کون لوگ ہیں۔ انھوں نے مودودی کا یہ بیان بھی پڑھ لیا ہے کہ ہم اندھیروں میں چراغ جلاتے رہیں گے۔ جب ایک شاعر نے یہ کہا تھا۔

"چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی"

تو اسے وطن دشمن قرار دے دیا گیا تھا۔ اور اب جس شخص کو سورج کی تیز روشنی میں اندھیرا دکھائی دے رہا ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ مودودی نے نظریۂ پاکستان کو پہلے بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ پاکستان کا خواب جب حقیقت بن گیا تو اس حقیقت کو بھی آج تک تسلیم نہیں کیا اور جب عوام کی واضح اکثریت نے ان کی جماعت کو مسترد کر دیا تو اسے بھی ماننے کو تیار نہیں۔ عوام عقل کے اندھوں کو سبق دے چکے ہیں۔ آئندہ بھی ان سے نمٹ لیں گے۔

شکست خوردہ بلکہ کرم خوردہ کھوڑو کا تازہ بیان ہے کہ عوام نے اسلام کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ کھوڑو کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عوام نے کھوڑو جیسے تمام سیاست دانوں کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اسلام کے مخالف اس ملک میں رہنے والے مسلمان عوام نہیں ہو سکتے۔ عوام کھوڑو، جی ایم سید، قاضی اکبر اور ان کے حواریوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ ان ہی جیسے سیاست دانوں نے اپنی قیادت کی دکان چمکانے کے لئے اردو اور بنگلہ کے درمیان بھی نفرت کی دیوار کھڑی کر کے مشرقی پاکستان میں گولیاں چلوائی تھیں اور جو لوگ ناگہانی موت مرے تھے وہ نہ اردو کے دشمن تھے نہ بنگلہ کے۔ وہ گولیوں سے نہیں مرے تھے۔ ان ناعاقبت اندیش سیاسی لیڈروں کے پیدا کردہ حالات ہی کا وہ شکار ہوئے تھے۔ اب یہی شکست خوردہ سیاست دان اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لئے اردو اور سندھی کے تنازعہ کو (جس کا کوئی وجود ہی نہیں) ہوا دے رہے ہیں۔

سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے کس کی اجازت سے سندھی کو جامعہ کی سرکاری زبان قرار دیا؟ پیر علی محمد راشدی کے بھائی پیر حسام الدین راشدی کو کون نہیں جانتا۔ ان کے اقدام کی ہر طرف سے مذمت کی گئی۔ احتجاجی بیانات اخبارات میں چھپے۔ احتجاجی جلسے ہوئے اور پھر خاموشی چھاگئی۔ مگر اچانک حیدرآباد ثانوی تعلیمی بورڈ نے بھی سندھی کو اپنی سرکاری زبان بنانے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی پورے صوبہ سندھ میں آگ بھڑک اٹھی۔ بھوک ہڑتالوں۔ مظاہروں۔ جلوسوں کا لا متناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اب اردو سندھی کے نام پر خونریزی ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یونیورسٹی کے چانسلر اور گورنر اپنے اختیارات سے کام لے کر سندھ یونیورسٹی اور ثانوی تعلیمی بورڈ کے ان فیصلوں کو غیر موثر کیوں نہیں کر دیتے جو بلاشبہ بدنام سیاستدانوں کے اشارہ ہی پر منظور کئے گئے ہیں۔

پاکستان کے۔ سندھ کے غریب عوام یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ سندھی بھی ان کی زبان ہے اور اردو بھی۔ وہ یہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ قومی زبان اور علاقائی زبان میں کیا فرق ہوتا ہے۔ وہ جلد ہی یہ بھی سمجھ جائیں گے کہ یہ لسانی عصبیت پیدا کر کے ان میں خون خرابہ کرانے والے کون لوگ ہیں۔ پھر وہ ایک ہو کر ان سے نمٹ بھی لیں گے۔ سندھ کے قدیم باشندے یہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ سندھی زبان کو سندھی ادب اور کلچر کو فروغ پاکستان بننے کے بعد ہی حاصل ہوا ہے۔ وہ اپنے سندھ کو اپنے پاکستان کو اس طرح تباہ نہیں ہونے دیں گے۔ وقت آرہا ہے۔ اخوت کو اس ملک کی سیاست بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔



مشرقی بنگال کے کسانوں نے

طبقاتی جنگ کا آغاز کر دیا ہے

ڈھاکہ کے پلٹن میدان سے خبر آئی ہے کہ یہ صبح داغ داغ ہے، شب گزیدہ ہے، یہ وہ صبح نہیں ہے جس کی آرزو لے کر دو سال پہلے ۲۰ جنوری کو بنگال کے طالب علم رہنما اسدالزمان نے گولی کھائی تھی۔ وہ صبح جو کہ بے داغ ہے اور جس کے بعد پھر کوئی شام نہیں۔ وہ صبح "عوامی جمہوری انقلاب" برپا ہونے کے بعد نمودار ہوگی۔

ڈھاکہ سے یہ خبر اس وقت آئی جب کہ پوربو بنگلہ بیلوبی، چھاترو یونین نے اسدالزماں شہید کا دن منانے کے لئے پلٹن میدان میں ایک جلسہ عام بلایا اور اس عام جلسے میں اس عزم کا اظہار کیا کہ یونین اسدالزماں کی روایت کو تازہ رکھے گی۔ "گولیاں کھائے گی مگر انقلاب لائے گی۔"

اس اجلاس میں یونین نے جو سیاسی قرارداد منظور کی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ دو سال پہلے اسدالزماں نے جس صبح کی آرزو کی تھی، وہ سامراج، جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ دار کے ہاتھوں بنگالی عوام کے ہونے والے استحصال کے خاتمہ اور ان کی مکمل قومی آزادی کی صبح تھی، اور یہ صبح ابھی نہیں آئی۔"

اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنگال کا ابھرتا ہوا درمیانہ طبقہ جو کہ ۶۹ء، ۱۹۶۸ء کی عوامی جدوجہد کے طفیل سیاسی اقتدار میں حصہ دار بن بیٹھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ طبقہ بعض عوامی مطالبات کو پورا کر دے، اور چند معاشی اور سماجی اصلاحات نافذ کر دے۔ لیکن یہ اصلاحات خود اس کے مفادات کے پیشِ نظر ہوں گی۔ عوامی مفادات کے پیشِ نظر نہیں۔ یہ طبقہ ان اصلاحات کے نفاذ کے سلسلہ میں اس حد تک آگے نہیں جائے گا جس سے سامراج، جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ دار کے مفادات کو نقصان پہنچے۔ اس طبقہ کے اقدامات سے نہ عام آدمی کی حالت سدھرے گی اور نہ ہی بنگالی عوام کی قومی آزادی کی تکمیل ہوگی۔

اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا کہ بنگالی عوام کو مکمل قومی آزادی صرف اسی وقت ملے گی اور دیس سے سامراجیت جاگیرداری اور اجارہ دار سرمایہ داری کا جنازہ اسی وقت اٹھے گا جب کسان طبقہ اور دیگر محب وطن عناصر مزدور طبقہ کی قیادت میں عوامی جمہوری انقلاب برپا کریں گے۔

اجلاس نے عوام سے اپیل کی کہ وہ انقلابی جدوجہد کا آغاز کریں اور باہم اشتراک سے ایک ایسی انقلابی جماعت کو جنم دیں جو عوامی جمہوری انقلاب کے دوران ان کی صحیح رہنمائی کر سکے۔

یونین نے اپنی ایک قرارداد میں حالیہ عوامی جدوجہد کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ اس جدوجہد کی منزل عوامی جمہوریت تھی مگر دو وجوہ کی بنا پر یہ منزل نہ مل سکی:

(الف) صحیح انقلابی جدوجہد کی عدم موجودگی۔

(ب) بنگال کے ابھرتے ہوئے درمیانہ طبقہ کی غداری۔

ایک طرف جنگ جو انقلابی جماعتیں عوامی ابھار کو صحیح سمت میں آگے نہ بڑھا سکیں تو دوسری طرف بنگال کا ابھرتا ہوا درمیانہ طبقہ اپنے مفادات کے پیشِ نظر گول میز کانفرنس میں جا بیٹھا۔ اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملک میں مارشل لاء کا نفاذ اور اس کے ساتھ عام انتخابات کا انعقاد اس سمجھوتہ بازی کا نتیجہ ہے جو درمیانہ طبقہ اور سامراج اور اس کے حواری جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ دار کے مابین ہوئی۔ مارشل لاء کے نفاذ سے یہ ہوا کہ حکمران طبقہ کی حاکمانہ حیثیت برقرار رہی اور انتخابات کے انعقاد کے ذریعے یہ ہوا کہ ابھرتے ہوئے درمیانہ طبقہ کو ان کے پہلو میں جگہ مل گئی۔

اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حالیہ عوامی ابھار کے سائنسی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ صرف چند نکات کی منظوری کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ یہ بنگالی عوام کی مکمل قومی آزادی کا تصور تھا جسے لے کر وہ میدانِ عمل میں آئے تھے۔ انہوں نے یہ تمنا لے کر جدوجہد شروع کی تھی کہ سامراج، جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ کی دیرینہ لوٹ کھسوٹ سے عوام کو آزادی ملے گی۔

اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حالیہ عوامی ابھار کا مقصد یہ کبھی نہ تھا کہ ووٹ کا حق استعمال کر کے لوگ اپنی شکایتیں داخلِ دفتر کرنا چاہتے تھے۔ بنگالی عوام کا حالیہ ابھار نہایت ہی تند اور تیز تھا جس میں جگہ جگہ پر خون کے چھینٹے بھی نظر آتے ہیں۔

اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگرچہ بائیں بازو کے انقلابیوں کی طرف سے انتخابات کے بائیکاٹ کے باوجود عوام کی بھاری تعداد نے الیکشن میں حصہ لیا اور ووٹ ڈالنے گئے، لیکن جلد ہی وہ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ عوامی جمہوری انقلاب پارلیمانی طریقے سے نہیں برپا ہوتا۔ اس انقلاب کے لئے ہتھیار بند جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

قرارداد میں مزید کہا گیا کہ زرعی انقلاب (کرشی بیلوب) کا جو رد عمل مشرقی بنگال کے دیہی علاقوں میں شروع ہوا ہے



مشرقی پاکستان کے ہر دلعزیز راہنما راشد خاں جنھیں ان کی غیر موجودگی میں سات سال قید کی سزا دی گئی ہے۔



سابق طالبعلم رہنما مصطفےٰ جمال حیدر یوم اسد الزماں کے جلسے سے خطاب کر رہے ہیں

اور کسانوں کے طبقاتی دشمنوں، جوتیداروں اور مہاجنوں کے خلاف تحریک کا جو علم بلند ہوا ہے وہ مشرقی بنگال میں مستقبل قریب میں ہونے والی زبردست انقلابی جدوجہد کی نشاندہی کر رہا ہے۔ "باورگرایا" میں بے زمین کسانوں نے انقلابیوں کی قیادت میں ایک ہزار ایکڑ زمین پر قبضہ کر کے اور "بھیلردیا" کے ظالم جاگیردار ممتازالدین کے ظلم وستم کا خاتمہ کر کے جس طبقاتی جنگ کا آغاز کیا ہے وہ ان چند واقعات میں سے ایک ہے جو پورے مشرقی بنگال میں رونما ہو رہے ہیں۔

قرارداد کے اس حصے میں مزید کہا گیا ہے کہ انقلابی کسانوں کی یہ جنگ کسی مخصوص سیاسی جماعت یا مخصوص سیاسی رہنما کے خلاف نہیں بلکہ استحصال کا شکار ہونے والوں کی جنگ ہے۔ اور عوامی جمہوری انقلاب اسی اسی جدوجہد کے ذریعے آئے گا جو پورے مشرقی بنگال کے دیہی علاقوں میں اپنے شباب کو پہنچ رہی ہے۔

اجلاس نے قرارداد میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ وہ رہنما جو اپنے آپ کو بنگال کا محافظ اور نجات دہندہ قرار دے رہے ہیں اس طبقاتی جنگ کو سیاسی قتل وغارت گری کا رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور مشرقی بنگال کے بائیں بازو کے انقلابیوں کو اپنے فاشی انداز میں دھمکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی یہ دھمکیاں اس انقلابی جدوجہد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ جو مشرقی بنگال میں عوامی جمہوری انقلاب برپا کرنے کا عزم کئے ہوئے تیزی سے آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اجلاس میں عوام کو ان سیاسی عناصر سے بھی خبردار کیا گیا جو حکمران طبقہ سے مل کر اقتدار میں حصہ بنانے کے لئے اپنے رنگ بدل رہے ہیں۔ قرارداد میں کہا گیا کہ فاشی انداز میں انڈونیشیا یا ویت نام بنانے کی دھمکیوں کا ہر ہر قدم پر دفاع کیا جائے گا۔ اور انقلابی جدوجہد کے ذریعے ایک نیا نظام نافذ کرنے کی راہ میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا۔

اجلاس میں تعلیم، طوفان، مہنگائی میں اضافے مزدوروں کے مطالبات، مزدوروں اور سیاسی قیدیوں پر مظالم کے بارے میں اور کئی قراردادیں بھی منظور کی

کھلنا کے ظالم جاگیردار کا قتل مظلوم کسانوں کے انتقام کا نتیجہ تھا

گئیں۔ سیاسی قیدیوں کے بارے میں منظور ہونے والی قرارداد میں عوام پر زور دیا گیا کہ وہ قاضی ظفر اور رشید خاں مینن کے خلاف فوجی عدالت کی سات سات سال قید کی اور عبداللہ النعمان اور قاضی سراج کے خلاف ایک ایک سال قید کی سزاؤں کے احکامات منسوخ کرانے کے لئے زبردست تحریک چلائیں۔ اس قرارداد میں تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے اور ان کے خلاف جاری کئے جانے والے گرفتاری کے وارنٹ واپس لینے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

یہ اجلاس جس میں یہ قراردادیں منظور کی گئی تھیں ۲۰ جنوری کو ڈھاکہ کے مشہور پلٹن میدان میں بیلوبی چھاترو یونین کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سابق طالبعلم رہنما اور قائد مصطفےٰ جمال حیدر نے عوام پر زور دیا کہ وہ ایک صحیح انقلابی پارٹی قائم کرنے کے لئے انقلابی طاقتوں کے ساتھ شمولیت اختیار کریں۔ عوامی جمہوری انقلاب برپا کرنے کے لئے مشرقی بنگال کے دیہی علاقوں میں لڑی جانے والی طبقاتی جنگ میں انقلابی کسانوں کا ساتھ دیں اور پھر ان انقلابی کسانوں کے ساتھ پرولتاریہ کی قیادت میں شہروں تک اپنی اس جنگ کا دائرہ وسیع کر دیں شیخ مجیب الرحمٰن پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ ان لوگوں کے خلاف جنہیں وہ "انتہا پسند انقلابیوں" کا نام دیتے ہیں لاٹھی بردار دستے منظم کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن وہ خود اقتدار میں اپنا حصہ حاصل کرنے کے لئے گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدل رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کھلنا کے بدنام زمانہ اور ظالم وجابر جاگیردار ممتازالدین کے قتل پر بہت سے سیاسی رہنما مگرمچھ کے آنسو بہانے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ممتازالدین کو اس کے ستائے ہوئے ان کسانوں نے قتل کیا ہے جو اس کے ظلم وستم اور رویے سے تنگ آگئے تھے۔ اور اس طرح انہوں نے اپنا ایک انتقام لے لیا ہے۔

مولانا بھاشانی کے بارے میں انہوں نے کہا کہ انہوں نے صحیح انقلابی سوچ رکھنے والوں کے خلاف جس مہم کا آغاز کیا ہے اس کے بعد ان کے لئے تاریخ کے کوڑے گھر کے سوا اور کوئی جگہ باقی نہیں بچی ہے۔

سوات میں خوانین کے ظلم کی داستان

والئی سوات کے اقبال کا سورج غروب ہونے والا ہے

اباسین

پچھلے دنوں بونیر سوات کے علاقے سے خانماں برباد کسانوں کا ایک وفد پشاور آیا تھا - اور یہ امید لے کر آیا تھا کہ وہ اپنے سلب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے مقامی انتظامیہ سے مدد حاصل کریں گے - لیکن پشاور سے واپسی پر یہ وفد مقامی اخبار نویسوں کو یہ بتا کر نہیں گیا کہ مقامی انتظامیہ نے ان کی کیا مدد کی - اور ان کے حقوق کی بازیابی کے لئے کون سے اقدامات کرنے کا یقین دلایا - علاقہ بونیر کے ڈگر کدہ سے آئے ہوئے اس وفد نے پشاور کے صحافیوں کے سامنے اپنے دکھوں کی جو داستان بیان کی تھی وہ نہ تو نئی تھی نہ ہی اس میں کوئی ایسی بات تھی جو صدیوں کے جاگیردارانہ نظام کے مزاج سے ہٹ کر تھی - انہوں نے وہی دکھ بیان کئے جو اس گندے اور غلیظ معاشرے کا حصہ ہیں - اور انہی لوگوں کا ماتم کیا جو اس معاشرے کے زیادہ محترم افراد کہلاتے ہیں - ان کا کہنا تھا کہ بونیر کے علاقے کا تقریباً ۲۰۰ مربع میل زرعی اراضی کا رقبہ سابق والئی سوات کے والد میاں گل عرف بادشاہ صاحب نے پچھلے ۵۳ سالوں سے غصب کر رکھا ہے - اور نصف صدی سے اس رقبے کے باشندے مسلسل اس نام نہاد بادشاہ صاحب کے استحصال کا شکار ہیں - یہ زمین صدیوں سے مختلف قبیلوں، خیلوں - اور خاندانوں کی مشترکہ ملکیت تھی - اور وہ اس زمین پر مشترکہ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے - مگر سوات کے والی کے باپ بادشاہ صاحب نے اس زمین پر اس دلیل کے ساتھ اپنا قبضہ جما لیا کہ انگریزوں کے مشہور معاون بادشاہ صاحب کے دادا سیدو شریف کی گائیں بھینسیں اس زمین پر چرا کرتی تھیں - اس خستہ حال وفد نے بتایا کہ سیدو شریف کی اولاد نے ان لوگوں سے صرف زمینیں ہی نہیں چھینیں وہ آزادی بھی چھین رکھی ہے جو انسانوں نے غلامانہ نظام کے خلاف طویل جدوجہد اور قربانیوں سے حاصل کی تھی -

انہوں نے کہا بونیر کے اس غصب شدہ علاقے کے باشندے سالہا سال سے اپنی ہی زمینوں پر غلاموں کی طرح بیگار کر رہے ہیں - اور اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے مکانوں میں کرایہ داروں کی طرح رہ رہے ہیں - وطن میں رہنے کے لئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ غصب شدہ زمینوں پر کام کر کے گھروں میں رہنے کا حق ادا کریں - کیونکہ وہ لوگ جو اپنے حق کے لئے احتجاج کرتے رہے ہیں یا سر اٹھا کر دیکھنے کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں جیتے جی اپنی مٹی بھی نصیب نہیں ہوئی - وہ جلاوطن کر دیئے گئے اور مختلف شہروں میں دم توڑ کر لاوارث لاشوں کے قبرستان سجاتے رہے ہیں -

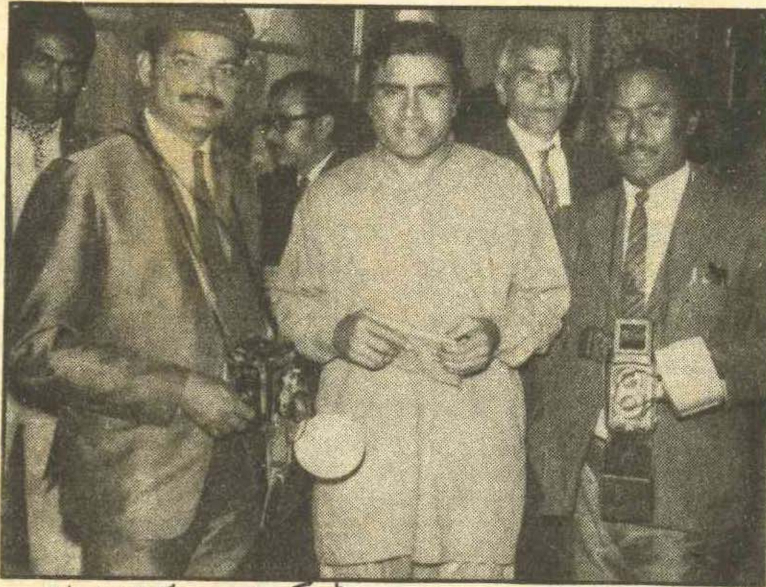
ان کا کہنا ہے کہ اس علاقے کے باشندے زندہ رہنے کے لئے صرف اور صرف مویشی پالتے ہیں لیکن انہیں زندہ رہنے کے اس حق کے لئے بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے - سابق ریاست سوات کے حکام ۴ روپے فی مویشی سالانہ مویشیوں کے مقبوضہ زمینوں پر چرنے اور پانی پینے کے وصول کرتے ہیں - اور ۵ روپے فی مویشی سالانہ مویشیوں کے مقدس پہاڑوں کی طرف دیکھنے اور بے حرمتی کرنے کے وصول کئے جاتے ہیں - اس وفد کے اراکین نے بتایا ہے کہ وہ اب مزید ظلم و جبر برداشت نہیں کر سکتے - اب وہ اپنی زمینیں واپس لے کر رہیں گے - لینڈ کمیشن نے اگر ان کی مدد نہ کی تو وہ اپنی مدد آپ کریں گے کیونکہ آخری راستہ یہی ہے انہوں نے بڑے عزم سے کہا کہ وہ بوڑھے بادشاہ کی نام نہاد بادشاہت ختم کر دیں گے اور اپنی محنت کا مزید استحصال نہ ہونے دیں گے -

استحصال، ظلم اور جبر کا یہ سلسلہ بونیر تک ہی محدود نہیں ہے - خاص سوات کے رہنے والے بھی اسی ظلم اور جبر سے دوچار رہیں - مینگورہ سے کالام - اشو اور نر درٹ تک پورا سوات ظلم و جبر کی ایک تاریک وادی نظر آتا ہے - بحرین میں رہنے والے کوہستانی باشندوں کی جوانیاں ظلم سہتے سہتے سفید پڑ چکی ہیں - اپنے لمبے چوڑے ڈیل ڈول کے باوجود وہ لوگ لکڑی کے تراشے ہوئے ٹیڑھے میڑھے پتلے نظر آتے ہیں - ان کی عورتوں کے چہرے اپنے فطری حسن کے باوجود کچھ اس طرح سہمے سہمے نظر آتے ہیں جیسے ان کی پشت پر کوئی جلاد خنجر تانے کھڑا ہو - ان کے بچوں کے پھولے ہوئے پیٹ اور دھنسی ہوئی آنکھوں سے موت جھانکتی نظر آتی ہے - ان میں سے بیشتر کا ذریعہ معاش فاقہ کشی ہے - وہ کوئی ہنر جانتے ہیں نہ کوئی فن - وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ جب صبح نمودار ہو تو بچے کو پیٹھ پر لاد کر میاں بیوی ایک آدھ بھیڑ کو ہانکتے ہوئے پہاڑ کی کسی بہت اونچی چوٹی پر چڑھ جائیں - جہاں سے بڑے بڑے انسان ان کو چیونٹیوں کی طرح چھوٹے چھوٹے نظر آئیں - جہاں ان کے افلاس کے زخم دیکھنے والا کوئی نہ ہو - جہاں کوئی یہ نہ دیکھ سکتا ہو کہ وہ شام تک کیا کھاتے ہیں اور کب سوچتے ہیں - بحرین کالام اور اوشو جانے والے بہت کم سیاحوں نے کبھی اس خطے کے باشندوں کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کی ہو گی - شاید ہی کسی نے ان سے بات کرنے کی جرأت کی ہو گی - کیونکہ ان سے بات کرنے کی کسی کو جرأت ہو ہی نہیں سکتی -

یہ لوگ زندگی کی ان بیشتر نعمتوں کے ناموں سے بھی ناآشنا ہیں جو شہروں میں رہنے والے لوگوں کے لئے کم ترین اہمیت کی حامل ہیں - بیشتر لوگ بستر، چارپائی اور گھریلو استعمال کے دوسرے لوازمات سے ناآشنا ہیں - بیمار ہونا اور بیماری کی حالت میں بغیر دوا کے مر جانا ان کے نزدیک نہ کوئی ظلم ہے نہ کوئی بے انصافی وہ اسے قدرت کا منشا سمجھتے ہیں - بارش کی صورت میں چھتوں سے پانی ٹپکنے کو وہ ناگزیر حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں - انہوں نے آج تک کوئی ایسی چھت دیکھی ہی نہیں جس سے پانی ٹپکتا نہ ہو - انہوں نے سیاحوں کی چمکدار موٹریں ضرور دیکھی ہیں مگر ان کے قریب جانے سے انہیں خوف آتا ہے - انہوں نے ریل گاڑی کبھی نہیں دیکھی - انہوں نے بکری کے دودھ اور دریا کے پانی کے علاوہ دنیا کا کوئی مشروب نہیں چکھا - اور ان کی جھونپڑیوں میں بہت کم

باقی صفحہ ۴۲ پر

بقیہ : مجیب بھٹو مذاکرات



عوامی رہنما طارق عزیز پریس فوٹوگرافروں کے ہمراہ

سے پہلے ڈھان منڈی میں شیخ صاحب نے زیادہ دیر تک اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد رات کے تین بجے تک ۱۱۳۴ کی بتی جلتی رہی۔ دو تین فل سکیپ کاغذوں پر چند نکات لکھے گئے۔ جو ۱۱۲۴ کی ملاقات میں زیر غور آئے۔ دھان منڈی کی دوسری ملاقات ویسے تیسری ملاقات۔ کچھ تعطل کا شکار ہو گئی کیونکہ صبح ماہرین کی ملاقات میں بھی تعطل کی کیفیت رہی تھی۔ جن نکات کے باعث بات آگے نہیں بڑھنے پائی تھی ۔ مسٹر بھٹو نے اپنی پریس کانفرنس میں ان کی حمایت یا تسلیم کرنے میں معقول مشکل کا ذکر کیا۔ ہمارے نزدیک وہ ایسے نکات ہیں کہ عوام کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے انہوں نے پہلے نکتے یعنی وفاقی پارلیمانی طرز حکومت اور چھٹے نکتے ملیشیا فوج کے قیام کو تسلیم کیا، باقی ۴ نکات یہ ہیں :-

نکتہ نمبر ۲ : وفاقی حکومت صرف دفاع اور محکمہ خارجہ کی ذمہ دار ہوگی۔

نکتہ نمبر ۳ : دونوں صوبوں کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کرنسیاں ہوگی جو آسانی سے ایک دوسرے سے تبدیل کی جا سکے۔

نکتہ نمبر ۴ : مالیاتی پالیسی اور ٹیکس لگانے کا حق وفاق بنانے والی ریاستوں کو ہوگا۔ جو ٹیکس وصول کریں گی ان سے وفاق چلانے کے اخراجات کے لئے مرکز کو ایک خاص تناسب سے رقم ادا کریں گے۔

نکتہ نمبر ۵ : دستور میں اس کا احترام کیا جائے گا کہ وفاق بنانے والی ریاستیں جس قدر زر مبادلہ کمائیں اس کے علیحدہ علیحدہ حسابات رکھے جائیں۔

مشرقی پاکستان کے غریب عوام کو ان نکات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان نکات کا فائدہ صرف مشرقی پاکستان کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار کو پہنچ سکتا ہے شیخ مجیب الرحمان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی پارٹی کا انتہا پسند گروپ جس کی قیادت تاج الدین کر رہے ہیں، اب پاکستان پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے، شیخ صاحب اس گروپ کے ہاتھوں میں مجبور ہیں ۔ قمر الزماں اور ان کے معتدل ساتھی ذرا پیچھے جا رہے ہیں ہیں۔ شیخ مجیب الرحمان اس انتہا پسند گروپ کو نہیں چھوڑ سکتے، کیونکہ اس گروپ کا رابطہ بیوروکریسی سے براہ راست ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شیخ صاحب زیر زمین کام کرنے والا عوامی قوتوں سے انتہائی خوفزدہ ہیں۔ کیونکہ ان کی پارٹی کی مزدوروں کسانوں میں جڑیں نہیں ہیں۔ مزدور، تحریک میں شیخ صاحب کا کوئی نام نہیں لیتا۔ شیخ صاحب اپنے انتہا پسند گروپ اور بیوروکریسی کے علاوہ مغربی پاکستان کی شکست خوردہ سیاسی جماعتوں سے بھی امید لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھٹو سے آخری ملاقات کے فوراً بعد پریس کو کہا کہ میں مغربی پاکستان کے دوسرے گروپ لیڈروں سے "بھی" ملاقات کروں گا۔ اس میں "بھی" کا لفظ قابل غور ہے۔ شیخ صاحب ولی خاں سے رہ و رسم بڑھانا چاہتے ہیں۔

بھٹو صاحب نے تو دروازہ کھلا رکھا اور بات چیت جاری رہنے کا ذکر کیا جبکہ چند منٹ بعد دھان منڈی میں مجیب صاحب نے اعلان کیا ان کی پارٹی نہ صرف مشرقی پاکستان بلکہ پورے پاکستان میں اکثریت میں ہے اس لئے آئین بنا سکتی ہے۔ جس پر بھٹو صاحب نے کہا کہ "اگر مفاہمت کے بغیر کوئی دستور بنا تو یہ ایک بے ثمر بے سود، کوشش ہوگی"۔

انٹر کانٹی نینٹل ۱۱۳۴، اور ۲۷ دھان منڈی کی یہ گفتگو پاکستان کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ بھی ہو سکتی تھی۔ تباہی یا اتحاد لیکن بھٹو صاحب کی ڈپلومیسی نے کسی خطرے کو ابھی ٹال دیا ہے، شیخ صاحب ڈٹے ہوئے ہیں۔ خبر نہیں یہ عوام کا دباؤ ہے یا کوئی اور۔ ان دنوں بعض صنعتکاروں اور سرمایہ داروں نے ڈھاکے سے کراچی اور کراچی سے ڈھاکے کے چکر بھی لگائے، ان میں سے زیادہ تر انٹر کانٹی نینٹل میں ٹھہرے تھے، اخبارات کی انتظامیہ کے لوگ سلہری ہارون سعید، میر خلیل الرحمٰن بھی گھومتے دکھائی دیئے۔ ادھر شوکت حیات صاحب کی صدر یحییٰ سے ملنے کی خبر آئی۔ اس کے بعد وہ مجیب صاحب سے ملنے آ رہے ہیں۔ مجیب صاحب نے کہہ دیا کہ جو لوگ مجھ سے ملنا چاہیں گے۔ میں ان کا خیر مقدم کروں گا۔ اس کے مقابلے میں بھٹو صاحب نے کہا کہ میں شکست خوردہ سیاسی پارٹیوں کے منتخب ممبروں سے ملوں گا۔ میں یہ شرط نہیں رکھوں گا کہ وہ میرے گھر آئیں بلکہ لاہور میں اپنے ہوٹل سے ٹیکسی لوں گا، اور دولتانہ صاحب کے گھر جاؤں گا۔ پشاور میں قیوم خاں اور چارسدہ میں ولی خاں سے ملوں گا۔

آخری ملاقات جو غیر رسمی تھی۔ جو دریائے میگھنا کی لہروں پر ہوئی۔ جس کے لئے مجیب اور بھٹو بڑی لانچ نائیک سے اتر کر دوسری لانچ پر چلے گئے، جو ۲ بجے سے ۴ بجے تک جاری رہی۔ اور جس کے بعد مسٹر بھٹو اور مجیب کو اخبار نویسوں کے سوالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میرے نزدیک وہ زیادہ اہم تھی، پہلی تین رسمی ملاقاتوں میں

دونوں لیڈروں کو پریس کے باہر کھڑے ہونے کا احساس ہوتا تھا۔ اس لئے وہ تمام تلخ بحث کے باوجود پریس کے لئے مسکراتے تھے۔ لیکن یہاں انہیں پریس کا سامنا نہیں تھا۔ نرائن گنج کے گھاٹ پر جب وہ اس سجی ہوئی لانچ سے نکلے۔ اپنی کاروں کی طرف گئے تو ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ اور بعد میں بھی ان کا موڈ خوشگوار تھا۔ دونوں لیڈروں کی مذاکرات کے بعد کی گفتگو کا لب ولہجہ اندر کی بات چیت کی غمازی کرتا تھا۔ ۱۱۳۴ کی ملاقات کے چند فقرے اوپر درج کئے گئے ہیں۔ باہر اخبار نویسوں کے سامنے دونوں کی نوک جھونک یا بیت بازی ہوئی۔ اس میں بھی وہی ایک دوسرے کی کاٹ کی کوشش تھی۔ اس آخری ملاقات میں جو غیر رسمی رہی دونوں کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ کیا نتیجہ ہے؟ اس کا انکشاف قبل از وقت ہے۔ اس وقت جو صورتحال بنتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسمبلی سیشن فروری کے آخری ہفتے میں ہوگا۔ دستور بہر حال عوامی لیگ ہی بنائے گی۔ اور یہ ہوگا بھی چھ نکات کی بنیاد پر ہی۔ لیکن بقول ایک سیاسی مبصر کے کہ جس طرح حالات کے تحت پاکستان کو مغربی بنگال اور مشرقی پنجاب کے بغیر قبول کرنا پڑا تھا۔ تھا یہ پاکستان ہی۔ اسی طرح ہوں گے چھ نکات بھی لیکن اس میں سے بہت سی چیزیں نکل چکی ہوں گی۔

دستور ساز اسمبلی میں پیپلز پارٹی کی پوزیشن بہتر رہے گی کیونکہ اس ارکان میں دستور کی رموز جاننے والے زیادہ تعداد میں ہیں۔ اس کے ساتھ قیوم خاں۔ جمعیت علمائے اسلام ہزاروی گروپ کے تعاون کا امکان ہے۔ جب کہ ولی نیپ، جمعیت علمائے پاکستان اور کونسل لیگ مجیب کی حمایت کریں گی۔ عوامی لیگ موجودہ صورت میں چھ نکات سے دست بردار نہیں ہو سکتی اور پیپلز پارٹی ان سے اتفاق نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اسے چھ نکات کی بنیاد پر عوام نے منتخب نہیں کیا۔ مجیب صاحب چھ نکات میں در پردہ تبدیلی کر رہے ہیں۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کی مالی صورتِ حال بہت ہی خراب ہے۔ اپنے طور پر مشرقی پاکستان کو مسائل حل کرنا بہت دشوار ہے۔ اس طرح مرکز اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی حکومت ہوگی۔ بلوچستان کی حکومت عوامی لیگ کی حمایت کرے گی۔ جب کہ سندھ اور پنجاب میں پیپلز پارٹی کی حکومت ہوگی، سرحد کی مخلوط حکومت پیپلز پارٹی کی حمایت کرے گی۔ پیپلز پارٹی کو اپنے وسیع تر پروگرام کی بنا پر مشرقی پاکستان اور بلوچستان میں تنظیم کا موقع ملے گا۔ اسمبلی کے اسیشن کے دوران پیپلز پارٹی کے منتخب ارکان اور لیڈروں کو مشرقی پاکستان میں پاؤں جمانے کا موقع مل جائے گا۔ عوام کو پیپلز پارٹی کے پروگرام سے بہت دلچسپی ہے، اگر پیپلز پارٹی کے لیڈر سنجیدگی سے اس طرف توجہ دیں تو پیپلز پارٹی کو اس پانچویں صوبے میں بھی مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں عوامی طاقتوں کو ایک پلیٹ فارم دینے کا بیج بو دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بھٹو کے دورے کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

بقیہ: لسانی مظاہرے

اس بازو میں نوکر شاہی قیام پاکستان کے وقت ہی سے بہت مضبوط تھی۔ وہ برطانوی نو آباد کاروں کی پروردہ اور تربیت یافتہ تھی۔ وہ اس قدر موثر قوت تھی کہ اس نے جمہوریت کو کبھی پھولنے پھلنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے گٹھ جوڑ کر کے ایک اہم حکمران طبقے کی حیثیت سے اقتدار اعلیٰ میں برابر شریک رہی۔

مغربی پاکستان میں چونکہ جاگیردار اور سرمایہ دار ہنوز ایک بڑی رجعت پسند قوت کی حیثیت سے موجود ہیں لہٰذا جماعت اسلامی اور ایسی ہی دوسری رجعت پسند قوتوں کو مشرقی پاکستان کے مقابلے میں یہاں ہنگامے برپا کرنے اور لاقانونیت پھیلانے کے بہتر مواقع حاصل ہیں۔ چنانچہ سندھی اور اردو کا جھگڑا ختم ہو جانے کے باوجود جگہ جگہ اسلامی جمعیت طلباء کے کارکن بھوک ہڑتال کر رہے ہیں اور اس ہنگامے کو اس وقت تک جاری رکھنا چاہتے ہیں، جب تک کسی اور مسئلہ کا سہارا لے کر نیا ہنگامہ نہ کھڑا کر دیا جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مغربی پاکستان میں یہ تمام ہنگامے صرف ان شہروں تک محدود رہے ہیں جہاں جماعت اسلامی اور دوسرے اسلام پسندوں کو انتخابات میں کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے ساتھ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ ان شہروں میں ایسے آسودہ حال مہاجرین بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ جنہوں نے اسلام پسندوں کو انتخابات میں کامیاب بنایا۔ آخر جماعتِ اسلامی کب تک بے چارے مہاجرین کے کندھے پر بندوق رکھ کر اس طرح چلاتی رہے گی؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور قابل توجہ ہے۔

روزنامہ **الفتح** کراچی

کے سلسلے میں اہم

اعلان

قارئین کرام اور ہمارے اکثر احباب نے اصرار کیا ہے کہ

روزنامہ **الفتح** کراچی

کے کم سے کم شیئر کی قیمت دس ۱۰ روپے مقرر کر دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس نیک مہم میں حصہ لے سکیں

اس سلسلے میں ضروری کاغذات تیار کئے جا چکے ہیں۔ جو احباب یہ حصص خریدنا چاہتے ہیں وہ اس پتے پر

منی آرڈر، چیک، ڈرافٹ بھیج کر شیئر خرید سکتے ہیں۔

تمام عوام دوست طاقتوں سے تعاون کی توقع ہے

پتہ یہ ہے

الفتح مطبوعات۔ ۸۰ ڈی نرسری کمرشل ایریا۔ کراچی

بقیہ: سوات

چراغ جلتا دیکھا گیا ہے - انہیں آگ کے استعمال کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے - یہ انسان پاکستان کی مشہور و معروف وادی سوات کے دامن میں جیتے ہیں - اس وادی میں جو جنگلات کی دولت سے مالا مال ہے - جس میں زمرد کی کانیں ہیں -

وادیٔ سوات کا سوات مینگورہ اور سیدو شریف تک محدود ہے جو فوجی چھاؤنیوں کی طرح صاف ستھرا ہے اور جس کے بیشتر کاروباری وسائل پران درباری خوانین کا قبضہ ہے جو وادیٔ سوات کی بلند اقبالی کے لئے خلق خدا کا خون چوستے تھے - دوسرے کئی مقامات پر بھی وادی کی فیاضی کے شاہکار نظر آتے ہیں - مگر قریب سے دیکھنے پر ان کی حقیقت بے روح مجسموں جیسی نظر آتی ہے - سڑکوں کے دائیں بائیں مختلف مقامات پر اسکولوں کی عمارتیں دکھائی دیتی ہیں - مگر طالب علم اور استاد کبھی دیکھنے کو نہیں ملے - ڈسپنسریاں بھی نظر آتی ہیں - مگر مریض اور مسیحا کبھی نظر نہیں آتے - ایمپالا گاڑیوں میں اس زمین کا حسن دیکھنے والے عمارتوں کے اندر جھانک کر نہیں دیکھتے - وہ گاڑیوں میں بیٹھے بیٹھے والی کی فیاضی اور عوام دوستی کی تعریف کرکے واپس چلے جاتے ہیں - اور ایک بہت بڑے جھوٹ کو ایک ایسی صداقت کے ساتھ ملوث کر دیتے ہیں جو والیٔ سوات کا اپنا شاہکار نہیں، صرف قدرت کا شاہکار ہے - ریاستوں کے انضمام کے بعد اس خطے میں بسنے والے مظلوم انسانوں کی یہ دلی خواہش تھی کہ وہ غیر جمہوری جاگیردارانہ نظام سے نجات حاصل کرلیں گے - مگر ابھی تک ان کی یہ امید پوری نہیں ہو سکی - والی کی اولاد ابھی تک ان مظلوم انسانوں کے سروں پر سوار ہے - ابھی تک ان کو یہ دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ ریاستیں دوبارہ بحال ہو جائیں گی - والی پھر سے والی بن جائیں گے - اور پھر سرکشوں کی گردنیں ناپی جائیں گی - مگر دسمبر کے انتخابات میں یہی دھمکیاں کارفرما تھیں شہزادہ اورنگزیب اعلانیہ یہ کہتے پھرتے تھے کہ ریاستوں کا ادغام کامیاب نہیں ہو سکتا - حکومت پاکستان، پاکستان کے مسائل نہیں حل کر سکتی تو وہ سوات کی طرف کیونکر توجہ دے سکے گی - وہ تمام ریاستی مشینری جو سابق والیٔ سوات نے ایک خاص تربیت سے بنائی تھی تاحال موجود ہے - وہ تمام اہل کار جو والی کی خوشنودیوں کا پھل کھاتے تھے ابھی تک عوام کے سروں پر مسلط ہیں - اور انتخابات میں بھی مسلط تھے - پاکستان سے جانے والی پولیس کے دل میں بھی اس شاہی خاندان کا بے حد احترام محسوس کیا گیا ہے - ہماری پولیس نے انتخابات کے دوران شہزادوں کے خاندانی وقار کو ملحوظ رکھنے کی جو مقدور بھر کوشش کی وہ پیپلز پارٹی کے مقامی امیدواروں کو ابھی تک یاد ہے - اس خطے کے مظلوم عوام کو ابھی تک اس بات کا یقین نہیں ہو سکا کہ والیٔ سوات کے اقبال کا سورج غروب ہو چکا ہے، وہ اس دن کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں جب وہ اپنی محنت کا پھل خود حاصل کر سکیں گے - جب ان کے بچوں کے ہاتھوں سے کوئی نوالہ نہ چھین سکے گا - آزادی کا یہ جذبہ میدانی علاقوں کی نسبت پہاڑی علاقوں میں زیادہ بھرپور اور پرجوش نظر آتا ہے - پہاڑی علاقوں کے باشندے بھی مصائب سے دوچار ہیں - مگر اس قدر نہیں جس قدر پہاڑی علاقوں کے باشندے - سوات کے ان مظلوموں کے دکھوں کو دیکھے اور سمجھے بغیر سوات کی خوبصورت وادی کے قصیدے گانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی لاش کو سجانے کی کوشش کرے - سوات کا حسن اپنے محنتوں کی خوشبوں کے بغیر کاغذ کے پھولوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا - اس خطے کا حقیقی حسن اس روز منکشف ہوگا، جس روز اس زمین پر رینگنے والی جونکوں کو کچلا جائے گا - جب اس وادی کے جنگلوں، کانوں، کھیتوں اور پانیوں پر غنڈوں کے پہرے نہ ہوں گے -

بقیہ:- تحقیقاتی رپورٹ

کی کوششیں شروع کیں کہ کسی طرح اس آرڈی ننس کو قبول کر لیا جائے - لیکن اساتذہ اس منہ دیکھی مکھی کو نہ نگل سکے اور مس انیتہ کی کوششیں رنگ نہ لا سکیں -

ایسوسی ایشن کے حالیہ انتخاب میں بھی مس انیتہ اور ایجوکیشن انڈسٹری کے بڑوں کے درمیان، ہونے والی "مصالحت" نے رنگ دکھایا - ٹیکسی، رکشا ہڑتال کے باعث انتخابات ملتوی کرنے کے مطالبہ کو پس پشت ڈال دیا گیا - جس کے نتیجے میں اے ایم قریشی اور حسن عال وغیرہ کی کاریں مس انیتہ کے حامی عہدیداران کو کامیاب کرانے کے لئے "ہڑتالی ٹیکسیوں اور رکشاؤں" کا متبادل بنی دوڑتی رہیں -

اساتذہ کی یہ اندرونی سیاست ہمارا موضوعِ بحث نہیں ہے - اس لئے ہم نے اس سلسلے میں تفصیلات میں جانے سے گریز کیا ہے - لیکن ایجوکیشن انڈسٹری کے بڑوں کی بدعنوانیوں، ان کی سازشوں اور ان کا آلۂ کار بننے والے عناصر کو ہم ہر ہر موڑ پر بے نقاب کرتے رہیں گے - "تحقیقاتی کمیٹی" کی رپورٹ کے سلسلے میں جو کچھ ہوا ہے اور جو ہم نے بیان کیا ہے - وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ کون کیا ہے اور کیا کر رہا ہے -

مختلف کالجوں کی بدعنوانیوں کی دستاویز پر ریڈ ٹیپ چڑھانے کے لئے جو سازشیں ہوئی ہیں - ادارہ الفتح نے اب انہیں ناکام بنانے کا تہیہ کر لیا ہے - ہم اعلان کرتے ہیں کہ تمام کالجوں کی بدعنوانیوں کے بارے میں تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کو منظرِ عام پر لائیں گے - اور عنقریب اس اہم دستاویز کی اشاعت کا سلسلہ شروع کریں گے جسے شائع ہونے سے روکنے کے لئے اس انڈسٹری کے ناخداؤں نے اب تک بہت جتن کئے ہیں -

بقیہ :- محنت کش

عثمان بلوچ اور متحدہ مزدور فیڈریشن کراچی کے سرمایہ داروں کے عتاب کا پچھلے دو سال سے شکار چلی آ رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فیڈریشن کی قیادت ایسے افراد کے ہاتھ میں ہے جو ٹریڈ یونین تحریک کو ذاتی نفع کے بجائے مزدوروں میں سیاسی شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں - فیڈریشن کی یہ پالیسی سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی نظروں میں بہت خطرناک ہے - یہی وجہ ہے کہ مالکان ہر اس یونین کے خلاف سخت کارروائیاں کرتے ہیں - جس کا الحاق اس قسم کی کسی مزدور تنظیم سے ہوتا ہے -

اس یونین میں بھی یہی ہوا یونین کے عہدیدار سمیت سولہ مزدوروں کو اب تک بغیر کسی وجہ کے ملازمین سے الگ کر دیا گیا ہے اور ان کا معاملہ اس ادارے کے سپرد ہے - جہاں انصاف کے بجائے مزدوروں کو صرف تسلیاں اور جھڑکیاں ملتی ہیں -

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
4—11, FEBRUARY, 1971

پی آئی اے
آر سی ڈی ممالک کے
دارالخلافوں کو قریب سے قریب تر کر رہی ہے


اسلام آباد


تہران


انقرہ

ایک نئی براہِ راست اور تیز رفتار پرواز

پی آئی اے کی پرواز اب اسلام آباد۔ تہران اور انقرہ
کے درمیان ہر جمعہ کو روانہ ہوا کرے گی۔
مشرق میں پی آئی اے کی اس تیز رفتار پرواز کے ذریعہ
پہلی بار ڈھاکہ کو اسلام آباد سے براہ راست
ملایا جارہا ہے۔ اور مغرب میں ایمسٹرڈم تک فضائی سروس
میں توسیع کی جارہی ہے۔
جہاں سے یورپ کے تمام ممالک کے لئے فضائی سروس
بہ آسانی فراہم ہوسکتی ہے۔
پی آئی اے کے سفر کے دوران آپ ہماری مہمان نوازی۔ خاطر تواضع
اور اخلاق کا روایتی انداز پائیں گے۔



مزید تفصیلات کیلئے اپنے ٹریول ایجنٹ یا کسی پی آئی اے آفس سے رجوع فرمائیں۔

PIA پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز